امام کوثریؒ سیریز نمبر: ۱

اسلامی فرقے

ایک جائزہ

تالیف

شیخ الاسلام، محققِ جلیل، امام محمد زاہد الکوثریؒ

ولادت: ۱۲۹۶ ہجری، ۱۸۷۹ عیسوی

وفات: ۱۳۷۱ ہجری، ۱۹۵۲ عیسوی

مرتب و مترجم

محمد انوار خان قاسمی بستوی

(بانی و چیئر مین انڈو عرب ملٹی لنگول سروسز، و صدر دیوبند اسلامک سینٹر)

Published by

Deoband Islamic Center

(For Da'wah and Research)

Shahre Tayyib, Behind Eidgah, Khanqah, Qasimpura Road,
Deoband, Saharanpur, UP, India, Pin: 247554

Website: www.deobandcenter.com, Email: deobandcenter@gmail.com, Cell: +91 888 111 5518

In association with

Maktaba Sautul Qur'an

Madani Market, Deoband, 247554, Email: faizulhasanazmi@gmail.com, Mo: 93589 11053

نام کتاب:	اسلامی فرقے-ایک جائزہ
تالیف:	شیخ الاسلام امام محمد زاہد الکوثریؒ
مترجم:	محمد انوار خان قاسمی بستوی
ایمیل:	anwarkhanqasmi@gmail.com
تعدادِ الفاظ:	۱۵۵۸۲
صفحات:	۴۸
تعداد:	۱۱۰۰
قیمت:	۴۰ روپئے
باہتمام:	فیض الحسن اعظمی
سنِ اشاعت	------------------ ۲۰۱۲م ۱۴۳۴
کمپوزنگ:	اِنڈو عرب ملٹی لِنگول سروسز، شہرِ طیب، عقب عیدگاہ، دیوبند

ناشر

دیوبند اسلامک سینٹر فار دعوہ اینڈ ریسرچ

قاسم پورہ روڈ، شہرِ طیب، عقب عیدگاہ، دیوبند، ٹیلیفون: 01336 222 557

مع اشتراک

مکتبہ صوت القرآن، دیوبند، ضلع سہارنپور، یوپی، موبائل: 93589 11053

ملنے کے پتے

مکتبہ امام کوثری، دیوبند — کتب خانہ نعیمیہ، دیوبند

اتحاد بکڈپو، دیوبند — حجاز بکڈپو، دیوبند

دار المعارف، دیوبند — دیوبند اسلامک سینٹر

فہرست

مختلف فرقوں کے ظہور کے اسباب اور ان کے خدوخال

حرفِ آغاز

یہ مقالہ امام کوثریؒ کے قلم سے نکلا ہوا ایک مختصر مگر عظیم علمی شاہکار ہے۔ شاید اتنے اختصار کے ساتھ اتنی معلومات کسی بھی قاری کو مختلف ادیان و مذاہب، عقائد و فرق، اور ملل و نحل پر کہیں اور نہ مل سکے۔ اس رسالہ کے مطالعہ سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ صاحبِ مقالہ مختلف افکار و عقائد اور فلسفوں اور مذاہب کا گہرائی سے مطالعہ کر چکا ہے، اور اس کے بعد اپنے گہرے تجربات پر مبنی تحقیقات اور تلخیصات کو قارئین کے سامنے درِ نایاب کی شکل میں پیش کر رہا ہے۔

اس رسالہ میں عقائد سے متعلق کچھ ایسے اہم نکات ہیں جو شاید اتنی وضاحت کے ساتھ کہیں اور نہ ملیں، مثلاً مختلف فرقوں کے ظہور پذیر ہونے کے اسباب اور ان کی خصوصیات اور اسی طرح سے اشاعرہ اور ماتریدیہ کا ایک مختصر مگر جامع تعارف وغیرہ۔ اس رسالہ میں معتزلہ کے بارے میں امام کوثریؒ نے جس انصاف کے ساتھ تبصرہ کیا ہے شاید یہ اس رسالہ ہی کا حصہ ہے۔ عام طور پر لوگ معتزلہ کے تعلق سے افراط و تفریط کے شکار نظر آتے ہیں۔ لیکن اس رسالہ میں آپ کو معتزلہ کی اصل شبیہ اور حقیقی صورت نظر آئے گی، نیز ظاہر پرست محدثین کے عقائد کا کھوکھلا پن بھی اپنی تمام کمزوریوں کے ساتھ کھل کر سامنے آجاتا ہے۔

پورا رسالہ شروع سے آخر تک انتہائی دقیق، پر مغز اور معیاری اسلوب میں مختلف افکار و عقائد پر ایک عالمانہ اور محققانہ اسلوب میں نقد کرتا ہے۔ حشویہ، مجسمہ، مشبہہ، اہلِ تاویل کے مخالفین، اور ابن تیمیہ اور ان کے متبعین کے اندر موجود فکری خلل، اور دیگر متعلقہ مباحث پر انتہائی وقیع اور محققانہ روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ مقالہ احقر کے نزدیک اتنا اہم ہے کہ اگر کوئی شخص ہندوستان سے چین صرف اسی رسالہ کو حاصل کرنے کے لیے طویل سفر کر کے جائے، پھر بھی یہ کوئی بڑی قیمت نہ ہو گی۔

یہ رسالہ دراصل حافظ ابن عساکرؒ کی کتاب ''تبيين كذب المفتري فيما نسب إلى الإمام أبي الحسن الأشعري'' پر ایک طویل مقدمہ ہے جسے حضرت امام کوثریؒ نے بطورِ تعارف اور تعریف کتاب کے شروع میں اپنے تحقیق کردہ نسخہ کے ساتھ طبع کیا تھا۔اس رسالہ کے بیش قیمت مواد اور علمیت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے حقیر کے دل میں داعیہ پیدا ہوا کہ اس کا ترجمہ ضرور کیا جائے، اور عمومی افادہ کی غرض سے ہندوپاک میں اہلِ علم کے حلقے تک اسے ہر حال میں پہونچایا جائے۔

قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ اس مقالہ کا انگریزی ترجمہ بہت پہلے طبع ہو چکا ہے اور مغربی دنیا اور انگریزی داں طبقہ سے خراجِ تحسین بھی حاصل کر چکا ہے۔اس کا انگریزی ترجمہ عبد اللہ بن احمد علی کے ذریعہ انجام دیا گیا ہے۔

اس کتابچہ کے ترجمہ سے متعلق ایک اور قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ اس کے سارے عناوین اس حقیر مترجم کی جانب سے لگائے گئے ہیں، جس کا واحد مقصد قارئین کے ذہن میں مختلف افکار و نظریات کو بآسانی منتقل کرنا ہے اور ان کے اندر دلچسپی پیدا کرنا ہے۔ایک غیر معنون طویل مقالے کو پڑھنے میں عام طور پر قارئین الجھن اور اکتاہٹ کا احساس کرتے ہیں۔

دوسری اہم وضاحت یہ ہے کہ اس عاجز مترجم نے حسبِ علم واستطاعت قارئین کے فائدے کی غرض سے مناسب مقام پر تعلیقات کا اہتمام کیا ہے۔کچھ معمولی قسم کی تعلیقات پہلے ہی سے خود امام کوثریؒ کی جانب سے مقالے کے ساتھ موجود تھیں، جن کو اس ترجمے میں حواشی میں شامل کر لیا گیا ہے، اور اس کے بعد بریکٹ میں آپ کا نام بھی لکھ دیا گیا ہے، اور اسی طرح سے جو حواشی میرے ہیں ان کو میں نے بغرضِ تمیز اپنے نام پر ختم کیا ہے۔

عاجز مترجم نے امام کوثریؒ کے مختلف رسائل اور مقالات و مقدمات کا ترجمہ کر کے بہت سے جرائد اور مجلات میں شائع کیا ہے، اور آپ کی اکثر کتابوں کا ترجمہ مکمل بھی ہو چکا ہے۔البتہ ان ترجموں پر تعلیقات، نظرِ ثانی، حاشیہ کاری اور دیگر مراجعات کا کام جاری ہے۔ان تمام رسائل اور

کتب کی اشاعت عنقریب سرزمینِ دیوبند سے ہی کی جائے گی۔ پہلی بار حضرتؒ کے کسی مقالے کو ایک کتابچہ کی شکل میں قارئین کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔ اس کے فوری بعد دوسرے رسائل بھی زیورِ طباعت سے آراستہ ہونے کے لیے تیار ہیں۔ اللہ سے دعا ہے کہ اس کاوش کو قبول فرمائے، اور مستقبل کے علمی منصوبوں کو پایۂ تکمیل تک پہونچائے، آمین۔

احقر کی معلومات کی حد تک دیوبند میں ایم ایس ورڈ میں چھپنے والی یہ پہلی کتاب ہے۔ میرے لیے یہ ایک تجرباتی ایڈیشن ہے۔ اگر طباعت سے متعلق تمام مراحل حسبِ منشا آگے بڑھتے رہے، تو پھر ان شاءاللہ احقر کی اگلی تمام کتابیں ایم ایس ورڈ ہی میں طبع کی جائیں گی۔

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر اس موقع پر میں چند لوگوں کا شکریہ نہ ادا کروں۔ سب سے پہلے میں صدیقِ محترم، عالم وفاضل، اور مشاق عربی مترجم، مولانا عارف جمیل مبارکپوری، استاذِ ادب، دارالعلوم، دیوبند کا شکر ادا کرنا چاہوں گا۔ موصوف نے اس کتابچے کی پروف ریڈنگ کی اور اسے املاء اور ٹائپنگ کی اغلاط سے پاک کیا؛ نیز موصوف کے تبصرے نے مجھے یہ حوصلہ دیا کہ واقعی یہ کام علمی اور قابلِ طبع ہے۔ موصوف نے دورانِ گفتگو تبصرہ فرمایا کہ پورے ترجمہ میں قلم رکھنے کی گنجائش کہیں نہیں تھی۔ دوسرا بہت اہم تبصرہ یہ تھا کہ واقعی ترجمہ اصل مولف کے فکر اور مزاج کی عکاسی کرتا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ محض الفاظ کا ترجمہ نہیں ہے؛ بلکہ معنی اور روح کی فراہمی بھی ہے۔ مولانا مبارکپوری نے یہ بھی تبصرہ کیا کہ اس موضوع پر انھیں اتنے منقح، مہذب، اور مرتب انداز میں اتنا مختصر اور نافع رسالہ پہلی بار پڑھنے کو ملا۔

اسی طرح سے میں صدیقِ محترم مولانا عبد الہادی قاسمی کبیر نگری، شعبۂ انٹرنیٹ، دارالعلوم، دیوبند اور عزیزم عبد الصبور کرناٹکی کا بھی شکر گزار ہوں۔ اول الذکر نے اس کتاب کی پیج سیٹنگ میں دلچسپی ظاہر کی اور بحسن وخوبی انجام بھی دیا اور ثانی الذکر نے دوبارہ پورے رسالے کی پروف ریڈنگ کی۔ اللہ ان تمام حضرات کو جزائے خیر دے۔

اس کے بعد امام کوثریؒ کے شائع کئے جانے والے مترجَم رسائل مندرجہ ذیل ہیں:

غیر مقلدیت-الحاد کا دروازہ
امام کوثریؒ علماء اسلام کی نظر میں (پانچ مضامین کا مجموعہ)
فقہ وحدیث میں علماءِ احناف کا مقام
اسلام کے خلاف عبرتناک سازشیں
طلاقِ ثلاث
حیاتِ امام ابو یوسفؒ
حیاتِ امام محمد بن الحسن شیبانیؒ
حیاتِ امام زفرؒ
حیاتِ امام طحاویؒ
امام ابو حنیفہؒ پر کئے گئے اعتراضات کے جوابات (یعنی تانیب الخطیب)
مقالاتِ کوثریؒ

محمد انوار خان، دیوبند
۱۸ محرم الحرام، ۱۴۳۴

فصلِ اول

بعثتِ نبوی کے وقت عام سماجی حالت

بعثتِ نبوی کے وقت عالمِ عرب جاہلیت میں لت پت، اور بت پرستی میں غرق تھا۔ اپنے پڑوسیوں کی طرح ان عرب قبائل کا انسانی ترقی میں کوئی قابلِ ذکر حصہ بھی نہ تھا، اور نہ ہی ان کے دلوں میں وہ انسانی جذبات تھے جو انھیں بنتِ حوّا کو زندہ در گور کرنے سے روک سکیں، اور کشت وخون اور قتل وغارت گری کو ذریعہ معاش بنانے کے آڑے آسکیں۔ اس کے علاوہ اور بھی بے شمار بیماریاں تھیں جس کے دلدل میں عالمِ عرب بری طرح سے پھنسا ہوا تھا۔ خود تراشیدہ بتوں کی پرستش ان کا مذہب تھا، اور ان کا عقیدہ یہ تھا کہ ملائکہ خدا کی بیٹیاں ہیں۔

اسی انسانی سماج میں کچھ ایسے اقوام وملل تھے جو مختلف ایسے مذاہب وعقائد پر ایمان رکھتے تھے جو تحریف کی زد میں آچکے تھے۔ چہار سو فتنہ پردازیوں اور ظلم واستبداد کا ایسا گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا تھا کہ شاید ہی تاریخِ انسانی نے ایسا نمونہ کبھی دیکھا ہوگا۔ یہ لوگ ابدی سعادت کے اسباب وعوامل تو دور کی بات، دنیوی زندگی کے ان بنیادی اسبابِ سعادت تک سے محروم ہوچکے تھے جسے ایک قوم نسل در نسل بطور میراث اپنے آباء واجداد سے حاصل کرتی ہے۔

اس میں ایک گروہ تو تثلیث اور حلول کا قائل تھا، اور اس پروپیگنڈہ کے لیڈران اپنے متبعین کے لیے دنیا کے عوض جنتیں بیچنے کا کاروبار کرتے تھے۔ عوام عقل و خرد سے تقریباً عاری ہو چکی تھی، اور اپنے آقاوں کی غلام بن چکی تھی۔ دوسرے دینی گروہ نے اپنے نبی کے ایک مختصر عرصہ کی غیبوبت کی بناپر سونے کے بچھڑے کی پرستش شروع کر دی، اور اس کے بعد اس پیغمبر کی کتاب میں بھی تحریف کر ڈالی، اور اللہ کے بارے میں یہ اعتقاد تک گھڑ لیا کہ وہ صخرہ پر اترتا ہے اور وہاں سے صعود اختیار کرتا ہے، اور یہ عقیدہ بھی کہ ساتوں آسمانوں کی تخلیق کی وجہ سے رب کو تکان لاحق ہوا جس کی بناپر رب آرام کے لیے لیٹ گیا۔ اللہ ہم سب کو اس طرح کے باطل عقائد سے محفوظ رکھے۔

فرقۂ صابئہ

اسی میں ایک گروہ تھا صابئہ نام کا جو اجرامِ علویہ کی پرستش کیا کرتا تھا مثلاً اصحاب ہیاکل جن کا عقیدہ یہ تھا کہ سورج ہر معبود کا معبود ہے، اور جیسے فرقۂ حرانیہ جس کا عقیدہ تھا کہ خالق ایک بھی ہے اور کثیر بھی: اس کی تشریح وہ یوں کرتے تھے کہ اصلاً وہ ایک ہے، اور اشخاص کی کثرت کی وجہ سے کثیر ہے۔ اور یہی وہ ساتوں آسمانی اجزا ہیں جو تدبیر و تنظیم کا کام کرتے ہیں، اور یہی زمین کے پسندیدہ اجسام ہیں۔ اللہ انھیں کے اجسام میں مجسم ہو جاتا ہے، اور اس کے باوجود بھی اس کی وحدت متاثر نہیں ہوتی ہے، اور وہ اس طرح کہ اپنی ذات یا اپنی ذات کے چند اجزاء کے ساتھ اس میں حلول کر جاتا ہے۔ اس کے علاوہ، ان کے اور بھی متعدد سحر پر مبنی تصورات، اور نجومِ سماویہ سے مخاطبات پر مبنی عقائد تھے۔ انھیں لوگوں سے غالی قسم کے صوفیوں نے اپنے بھونڈے نظریات کو اخذ کیا ہے۔ (۱)

ثنویہ

ان میں ایک گروہ تھا ثنویہ کا اور فارس کے مجوسیوں کا جن کا مذہب دراصل آتش پرستی تھا،

---

(۱) عبد السلام الجیلیؒ کی آزمائش کے بارے میں ذیل الروضتین میں اور قاہرہ میں الخزانۃ الزکیہ میں محفوظ کتاب مجموعۃ دوزی ملاحظہ فرمائیں۔ (کوثریؒ)

اور یہ لوگ دو طرح کے خالق کے قائل تھے: نور خالقِ خیر ہے اور ظلمت خالقِ شر۔اس مذہب میں کئی فرقے تھے جیسے مانویہ،دیصانیہ اورمزدقیہ وغیرہ۔ان لوگوں کاعقیدہ تھا کہ نور جہات خمسہ سے غیر متناہی ہوتا ہے،اور جس رخ سے تاریکی سے ملا ہوتا ہے وہاں متناہی ہوتا ہے۔مانوی فرقہ کا بانی مانی حران کا ایک راہب تھا۔

اس گروہ کے مزدقی فرقہ کا خیال تھا کہ اللہ عالمِ اعلی میں اپنی کرسی پر بالکل ایسے ہی بیٹھا ہے جیسے بادشاہ خسرو عالمِ اسفل(اس دنیا) میں اپنے تخت پر۔

ان مذاہب کے علاوہ دوسرے کئی اور اعتقادی مذاہب بھی پائے جاتے ہیں جو اپنے اندر گوناں گوں گمراہیوں اور انحرافات کو سمیٹے ہوئے ہیں جیسے دہریہ اور نیچری لوگ جو صانع کا انکار کرتے ہیں۔ یہ لوگ ہر زمانہ میں انسانیت کی پیشانی پر ایک کلنک رہے ہیں، اور اسی طرح سے سمنیہ اور براہمہ جو غیر محسوس چیزوں کے منکر تھے،اور نبوت کا انکار کرتے تھے۔ ان کا یہ فلسفہ ہمیشہ تمام انسانی ذلتوں اور بدبختیوں کی جڑ رہا ہے۔

سرورِ کائنات محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے وقت حجاز،اور اس کے پڑوسی ممالک فلسطین، شام، نیز روم، عراق اور سرزمینِ فارس، دیارِ ہند، اور افریقی ممالک مذکورہ بالا کربناک احوال سے دوچار تھے۔

دعوتِ اسلام کا پیغمبرانہ موثر منہج

ذرا آپ ملاحظہ تو فرمائیں کہ نبی کریم ﷺ نے اس انداز سے مختلف فرقوں اور اعتقادی جماعتوں کے درمیان رہ کر کس طرح سے دعوتِ اسلام کو انجام دیا، اور کس طرح سے اپنی دعوت کی حجیت کے لیے دلائل قائم کیا، اور کس طرح سے آپ نے انوکھے انداز سے انسانی عقلوں کو بیدار کیا۔ آپ کی دعوت کا انداز عوام کے معیارِ فہم سے نہ تو بالاتر تھا اور نہ ہی ایسا کہ خواص اسے بالکل عجیب سمجھ کر بدک جائیں۔آپ نے یہ سب کچھ ایسے منہاج پر انجام دیا کہ کسی بھی متعنت اور ہٹ دھرم کو بہانہ جوئی کا کوئی موقع نہ مل سکے۔ چنانچہ سارے لوگ آپ کے

سچے متبعین بن گئے۔ آپ نے سارے لوگوں کو تنزیہ باری کے طریقے کی تعلیم دی، اور یہ واشگاف کیا کہ اللہ کے حق میں کون ساعقیدہ جائز ہے اور کون سانا جائز، اور آپ نے عملی ابوابِ دین میں ان کو فقہ سے مالا مال کیا، اور ان کو انسانی فضائل اور کریمانہ اخلاق کی تربیت دی، اور سارے لوگوں کو علوم، اعمال، اور اخلاق وغیرہ میں اعتدال کے ساتھ عملِ پیہم اور جہدِ مسلسل کی دعوت دی۔

اسلام کی آفاقیت

دیکھتے ہی دیکھتے آپ پر نازل کی گئی شریعت اپنے محدود جغرافیائی دائرہ سے نکل کر ایک آفاقی اور عالمی نظام میں تبدیل ہو گئی، اور مشرق و مغرب میں اقوامِ عالم آپ کی ہدایت کے نور سے مستفید ہونے لگیں، اور پھر یہ بابرکت دعوت اور مقدس دینی تحریک سارے عالم پر ایک درخشاں ستارے کے مانند چھاگئی، جس کے بہتر نتائج اتنی کم مدت میں ظاہر ہونا شروع ہو گئے جس کی نظیر تاریخ انسانی میں نہیں ملتی۔

اگر آپ اس حقیقت پر غور کریں، تو یقیناً آپ کے ایمان اور یقین میں اضافہ ہو جائے گا، اور اس عظیم نبی کی شریعت میں ایسے حیرت انگیز معجزاتی کرشمے نظر آئیں گے، جو تا روزِ قیامت ایک انوکھی حیثیت سے دیکھے جائیں گے۔

پیغمبرِ اسلام ﷺ کی بنیادی تعلیمات

امتِ مسلمہ نے اپنے رسول ﷺ سے جن اہم چیزوں کو اخذ کیا ہے وہ ہیں: اللہ اور اس کے صفات کی معرفت اور دوسرے مقصود بالذات اعتقادات، اور ان عبادات اور معاملات میں عملی احکام کی معرفت جن پر انسانی نفوس کی پاکیزگی منحصر ہوتی ہے، اور مخلوقِ خدا کے درمیان عدل وانصاف قائم کرنا، بلند ملکات کے اکتساب کا علم، اور پست نفسانی عادتوں سے اپنے آپ کو دور رکھنا۔ یہ سب وہ عمدہ اخلاق ہیں جو تزکیۂ نفس، اور قلبی تصفیہ کے ایسے وسائل مانے جاتے ہیں

جس سے متصف ہونے کے بعد انسان سے اعمالِ سعادت کا صدور ایک فطرت بن کر ہوتا ہے نہ کہ تکلف کے ساتھ، اور اس کے بعد انسان علمی اور عملی کمالات کے بامِ عروج پر پہونچ جاتا ہے۔

صحابۂ کرامؓ ان علوم کی تدوین سے بے نیاز تھے، کیوں کہ جب بھی ان حضرات کو کسی مسئلہ میں کوئی شک ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب رجوع کر لیتے، اور اپنے اشکال کا شافی جواب حاصل کر لیتے، اور علمِ نبوی سے اپنے آپ کو مالا مال کر لیتے، اور آپ ہی کی ذاتِ نبویہ سے اعمال میں انسیت اور رہنمائی حاصل کرتے، اور آپ کے خلقِ عظیم سے متصف ہونے کی بھرپور کوشش کرتے، اور کسی بھی طرح سے کسی بھی چیز میں اعتدال سے نہ ہٹتے، جس کی بنا پر ان حضرات نے ایک پورا اسلامی نظام قائم کیا اور اپنے بعد آنے والوں کے لیے بجا طور پر لائق اتباع اسوہ ثابت ہوئے۔

صحابہؓ کے بعد اس امت کے علماء کی ایک جماعت نے ہر صدی میں نسل در نسل حسبِ ضرورت ان علوم کی تحقیق اور تدوین کا کام جاری رکھا۔ جس دور میں بھی علماء نے اپنی دینی ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی انجام دیا ہے اس دور میں دین زیادہ طاقتور، اور مسلمان کافی سعادت مند اور خوشحال رہے ہیں۔

مختلف فرقوں پر ایک نظر

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دارِ فانی سے کوچ کر کے دارِ جاودانی کے جانب روانہ ہو گئے، تو سیدنا ابو بکر الصدیقؓ کے زمانہ میں کچھ لوگ ارتداد کے شکار ہو گئے تھے، اور اسی دوران منافقین کی اندرونی سازش کے نتیجہ میں کچھ ایسے لیڈران پیدا ہو گئے تھے جو دنیوی امور کو دینی امور سے الگ کر دینا چاہتے تھے۔ یہاں تک کہ ان لوگوں نے زکوۃ کی ادائیگی تک سے انکار کر دیا۔ لہذا صحابہؓ نے انھیں مرتدین کی فہرست میں داخل کر دیا کیوں کہ اس طرح کی تفریق خدا کی کتاب کے بالکل منافی ہے جس میں تا روزِ قیامت کسی باطل کے در آنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ چنانچہ صحابہ نے اس مرتد گروہ کے ساتھ جہاد کیا یہاں تک کہ حالات دوبارہ معمول پر آ گئے۔

خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروقؓ فتنہ پروروں کے بارے میں کافی حساس تھے۔اسی وجہ سے آپ پیچیدہ مسائل ابھار کر عوام کے ذہنوں میں تشویش اور الجھن ڈالنے کی کوشش کرنے والے عناصر کو جلاوطن کر دیتے تھے۔اس طرح سے اسلامی فتوحات کا دائرہ آپ کی خلافت میں وسیع تر ہوتا گیا،اور لوگ جوق در جوق خدا کے دین میں داخل ہوتے گئے،اور دنیا کی دیگر قومیں مذہبِ اسلام کی تابع ہوتی گئیں،اور آپ کے منہاجِ خلافت کے سامنے تمام ممالک جھکتے چلے گئے۔

سیدنا عثمانِ غنیؓ کے دور سے فتنوں کا آغاز

جب سیدنا عثمان غنیؓ کے دور میں فتنہ نے سر اٹھایا،تو پھر مسلمانوں کی صفوں میں گھسے ہوئے دشمنانِ دین نے آپ کی نرم خوئی کا فائدہ اٹھانا شروع کر دیا،اور لوگوں میں اندرونی طور پر ریشہ دوانیوں کا آغاز کر دیا۔ ان لوگوں نے عوام کو خلافت کے خلاف اس انداز سے بھڑکانا شروع کر دیا کہ عوام اپنی شرافت،سیدھاپن اور فتنہ پردازوں کی عیارانہ اور مکارانہ چالوں کی تہ تک نہ پہونچنے کی وجہ سے اسے قبول کرنے لگی،کیوں کہ یہ لوگ ظاہر میں اپنے آپ کو دیندار اور خیر خواہ کے طور پر پیش کرتے تھے۔ منافقین کا یہ گروہ مختلف ممالک میں اپنے اس منحوس مقصود کو لے کر پھرتا رہا،اور اس دین کو تباہ کرنے کے لیے راستہ ہموار کرنے میں ہمہ تن مصروف رہا،اوراس طرح سے ان لوگوں نے تباہی اور بربادی کی بیج ڈال ہی دی۔

اس دور میں عبد اللہ بن سبا[۲] جیسے لوگوں نے دین کو جو نقصان پہونچایا ہے وہ سب کو معلوم ہے۔ واقعۂ صِفّین میں تحکیم کے بعد خوارج کا گروہ سیدنا علیؓ کو چھوڑ کر چلا گیا،اور پھر وہ اس حد تک غلو کے شکار ہو گئے کہ مرتکبِ کبیرہ کی تکفیر کرنے لگے،اور جب سیدنا علیؓ

(۲) عبداللہ بن سبا اور اس کی تخریبی سرگرمیوں کے بارے میں مزید تفصیل کے لیے امام کوثریؒ کا عربی رسالہ من عبر التاريخ في الكيد للإسلام ملاحظہ فرمائیں۔ مترجمِ کتاب نے اس رسالہ کا بھی ترجمہ اردو میں کر دیا ہے،جو ان شاءاللہ عنقریب دیوبند ہی سے شائع کیا جائے گا۔ واللہ الموفق (انوار)

کی وفات ہوئی، تو لوگوں کا ایک گروہ آپ اور آپ کے آل کی مشایعت اور متابعت پر قائم رہا، اور ان لوگوں کو شیعہ کا نام دیا گیا۔

جب جب بنو امیہ کی جانب سے اہلِ بیت پر ظلم کیا گیا، اس وقت زندیق روافض کو ان منافقین نے شر وفساد کی بیج بونے کے لیے ایک سبز میدان بنالیا۔ جب حضرت حسن بن علیؓ امیر معاویہؓ کے لیے خلافت سے سبکدوش ہوگئے، تو اس وقت لوگوں کی ایک جماعت دونوں گروہوں سے کنارہ کش رہی، اور مساجد میں لگ کر علم وعبادت میں مشغول ہوگئے، جب کہ یہ لوگ اس سے پہلے ہر جگہ سیدنا علیؓ کے ساتھ رہا کرتے تھے، اور یہی دراصل معتزلہ تھے۔(۳)

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اعتزال اختیار کرنے والے سب سے پہلے محمد ابن الحنفیہؒ کے دونوں بیٹے ابو ہاشم عبد اللہؒ اور حسنؒ تھے۔ اس کے بعد حسنؒ نے ایمان کے مسئلہ میں خوارج پر رد کرنا شروع کر دیا، اور کہتے تھے کہ: ایمان کلمہ اور عقد کا نام ہے نہ کہ اعمال کا، اسی لیے آپ اور آپ کی جماعت کو مرجئہ کا نام دیا گیا، کیوں کہ یہ لوگ عمل کو ایمان سے موخر رکھتے تھے، اور اس گروہ سے دوسرا گروہ بھی پیدا ہوا جس کا عقیدہ تھا کہ: ایمان کے ساتھ معصیت مضر نہیں ہوتی ہے، اور انھیں مبتدع مرجئہ کا نام دیا گیا۔

بہت سے یہودی علماء، عیسائی راہب، اور مجوسیوں کے دینی پیشواوں نے خلفاء راشدین کے دور میں بظاہر اسلام قبول کیا، پھر ان کے بعد سادہ لوح اہلِ ایمان کے درمیان اپنے من گھڑت افسانوں اور خرافات کو پھیلانا شروع کر دیا۔ ان میں سے بہت سے مسلمان

---

(۳) ابوالحسین طرائفی شافعیؒ، متوفی ۳۷۷ھ، اپنی کتاب "رد أهل الأهواء والبدع" میں تحریر فرماتے ہیں: اس گروہ نے اپنا نام اس وقت معتزلہ رکھا جب حضرت حسن بن علیؓ نے امیر معاویہؓ سے بیعت کر لی اور امارت ان کے حوالہ کر دی۔ اس وقت یہ حضرات حسن بن علیؓ، امیر معاویہؓ اور دوسرے تمام لوگوں سے کنارہ کش ہوگئے، جب کہ اس سے پہلے یہ لوگ حضرت علیؓ کے اصحاب ہوا کرتے تھے۔ پھر یہ لوگ اپنے گھروں اور مساجد سے چمٹے رہے، اور کہنے لگے: اب ہمیں صرف علم اور عبادت ہی سے سروکار ہے۔ اسی وجہ سے اس گروہ کا نام معتزلہ رکھ دیا گیا۔ (کوثریؒ)

پڑھے لکھے نہ تھے جیسے بادیہ نشین رواۃ، اور ان کے سادہ لوح موالی، لہٰذا اِن لوگوں نے اُن سے ان خرافات کو لے لیا اور دوسروں کے سامنے غفلت اور سلامتِ باطن کے ساتھ روایت بھی کر دیا، اور ان خرافاتی روایات میں اللہ کی شان میں تجسیم و تشبیہ کا اعتقاد بھی رکھنے لگے، اور اپنے دورِ جاہلیت کے اعتقاد کے بارے میں ان چیزوں سے انسیت حاصل کرنے لگے۔ بات یہیں تک نہیں رکی؛ بلکہ یہ لوگ اِن باطل اخبار و روایات کو دانستہ یا نادانستہ رسول اللہ کی جانب مرفوعاً منسوب بھی کرنے لگے، جس کی وجہ سے تشبیہ و تجسیم کا عقیدہ مختلف جماعتوں میں رواج پانے لگا، اور ایک وبا کی طرح پھیل گیا۔

خلافتِ بنوامیہ کے امراء خلفاء راشدین کی طرح مسلمانوں کے دینی اعتقاد کی حفاظت کے فکر مند نہ تھے سوائے ان امور میں جو ان کے لیے سیاسی طور پر نقصان دہ ہوا کرتے تھے۔ چنانچہ ان باطل عقائد سے متاثر ہونے والے لوگ سب سے پہلے شیعہ حضرات تھے؛ لیکن ان لوگوں نے معتزلہ کے ساتھ اپنے مناظرات کی وجہ سے ان تجسیمی عقائد سے رجوع کر لیا، اور ان کے درمیان یہ باطل اعتقاد دیرپا نہ رہا؛ لیکن یہی عقائد ظاہر پرست محدثین اور راویوں کے حشویہ گروہ کے ساتھ چپک گئے۔

بصرہ کی سرزمین مختلف آراء و عقائد کی آماجگاہ تھی۔ اسی سرزمین میں معبد بن خالد الجہنی نے دیکھا کہ کچھ لوگ معصیت کے لیے تقدیر کا سہارا لیتے ہیں۔ چنانچہ معبد نے ان لوگوں پر رد کرنا شروع کیا، اور اس بات کی نفی کرنے لگے کہ تقدیر افعالِ عباد میں اختیار کے لیے سالب ہوتی ہے۔ ان کا مقصد تکالیف واحکام کی شریعت کا دفاع کرنا تھا؛ لیکن ان کی عبارت اس مقصد کے لیے ناکافی رہ گئی اور جناب نے یہ کہہ دیا کہ: ''تقدیر کوئی چیز نہیں ہوتی اور ہر معاملہ از سرِ نو وجود میں آتا ہے۔'' جب اس بات کی اطلاع حضرت ابن عمرؓ کو دی گئی، تو آپ نے ان سے اپنی برائت کا اعلان کر دیا، اور معبد کی جماعت کو قدریہ کا نام دے دیا گیا۔ معبد کا یہ اعتقادی مذہب بصرہ کے محدثین کی ایک جماعت کے درمیان صدیوں تک رائج رہا۔ یہی نہیں؛ بلکہ اس عقیدہ کو بعض راویوں نے اور آگے بڑھایا اور خالق کی جانب ثنویہ کی طرح نور کو منسوب کر دیا، اور مخلوق کی جانب ظلمت کو۔

غیلان بن مسلم دمشقیؒ دمشق میں معبد کے خیالات کی نشر واشاعت کیا کرتے تھے۔ عمر بن عبدالعزیزؒ نے ان کو اپنے پاس بلایا، اور ان کے شبہات کا شافی علمی جواب دیا جس کی بنا پر غیلانؒ اپنی اس مہم سے باز آگئے اور کہا: "اے امیر المومنین، میں آپ کے پاس گمراہ ہو کر آیا تھا؛ لیکن آپ نے مجھے ہدایت دے دی، اور اندھا بن کر آیا تھا؛ لیکن آپ نے مجھے بینائی دے دی، اور جاہل بن کر آیا تھا؛ لیکن آپ نے مجھے عالم بنادیا۔ خدا کی قسم میں اس طرح کی چیزوں کے بارے میں کبھی بھی کوئی کلام نہیں کروں گا۔[۴]"

جب معبد کے خیالات واعتقادات پھیلنے لگے، تو جہم بن صفوان نے خراسان میں ان پر رد کرنا شروع کر دیا، جس کی وجہ سے وہ خود جبر کے اعتقاد میں الجھ کر رہ گئے، اور انھیں سے جبریہ کا مذہب وجود میں آیا۔

امام حسن بصریؒ کا شمار اجلۂ تابعین میں ہوتا ہے۔ آپ سالہا سال بصرہ میں دینی علوم کی نشر واشاعت کرتے رہے، اور آپ کی مجلس کے حاضرین بڑے بڑے علماء ہوتے تھے۔ ایک دن آپ کی مجلس میں کچھ کم عقل قسم کے رواتِ حدیث حاضر ہوئے، اور جب وہ لوگ گری پڑی باتیں کرنے لگے تو اس پر آپ نے فرمایا: "ردوا هؤلاء إلى حشا الحلقة" ان لوگوں کو حلقہ کے کنارہ کر دو، اور اسی وقت سے ان کا نام حشویہ مشہور ہو گیا۔[۵] اسی گروہ سے

---

(۴) اس واقعہ سے دو اہم نکات کی جانب اشارہ ملتا ہے ۱) غیلانؒ کی عظمت اور حق پرستی۔ غلطی ظاہر ہونے کے بعد کھلے لفظوں میں اعتراف کر لینا اور حق کے سامنے سرِ تسلیم خم کر لینا صرف جواں مردوں اور حق پرستوں ہی کا کام ہو سکتا ہے۔ یہ واقعہ واقعی غیلانؒ کے غایت درجہ اخلاص اور للہیت کا واضح ثبوت ہے۔ ۲) عمر بن عبدالعزیزؒ کی دینی عظمت اور علمی اور روحانی تاثیر۔ ایک باطل عقیدہ کی ترویج کرنے والے شخص کا آپ نے اتنا سنجیدہ، طاقتور اور علمی جواب دیا جس کی وجہ سے اس کے سارے شکوک کافور ہو گئے اور وہ فوراً ہی اپنے باطل عقائد سے تائب ہو گیا، جس سے عمر بن عبدالعزیزؒ کے عظیم روحانی اور علمی مقام کا پتہ ملتا ہے۔ فرحمہما اللہ (انوار)

(۵) بعض علماء کا خیال ہے کہ حشویہ حشو سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں داخل کرنا اور گھسانا۔ اس گروہ کا نام حشویہ اس لیے رکھا گیا کیوں کہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی احادیث میں بے اصل احادیث

مختلف مشبہہ اور مجسمہ کا تعلق ہے۔

ایمان کے بارے میں واصل کی رائے

سابق الذکر ابو ہاشم سے اعتزال اخذ کرنے کے بعد واصل بن عطا حسن بصریؒ کی مجلس میں حاضر ہونے لگا۔ ایک بار ایمان کا مسئلہ مجلس میں ذکر کیا گیا، اور واصل نے جلدی سے اس پر یہ تبصرہ کر دیا کہ کھلم کھلا کافر اور مطیع مومن کو بالترتیب کافر اور مومن کہنے میں کوئی اختلاف نہیں ہے، اور چونکہ مرتکبِ کبیرہ کے بارے میں یہ اختلاف ہے کہ اس پر ان دونوں میں سے کسی ایک کا اطلاق کیا جائے یا نہ، اس لیے ہم اس پر نہ تو اِس کا اطلاق کریں گے اور نہ ہی اُس کا، اور ایسے شخص کے بارے میں ہم یہ کہیں گے کہ: وہ فاسق ہے، اس طرح سے ہم ایک متفق علیہ رائے کو اختیار کر لیں گے، اور ایک مختلف فیہ رائے کو ترک کر دیں گے۔ واصل اس طرح سے دونوں مخالف رایوں کے بیچ میں تطبیق دے کر ایک نئی راہ نکالنا چاہ رہے تھے، اور فریقین کو اپنی رائے کی جانب مائل کرنا چاہ رہے تھے؛ لیکن در حقیقت وہ اس صورت میں خوارج کے ساتھ تھے کیوں کہ یہ مرتکبِ کبیرہ کے لیے خلود فی النار کے قائل تھے، اور اسی لیے حسن بصریؒ آپ کے کلام سے راضی نہ ہوئے۔

حسن بصریؒ کی مجلس سے واصل کی علیحدگی

اس کے بعد واصل اس مجلس سے الگ ہو گئے، اور اپنے دونوں تلامذہ عمرو بن عبید اور بشر بن سعید کے ساتھ اعتزال کا مذہب اور اصولِ خمسہ کی نشر واشاعت میں لگ گئے۔ اس مذہب کو عمرو بن عبید اور بشر بن سعید سے بشر بن المعتمر اور ابوالہذیل نے اخذ کیا۔ ابوالہذیل کے یہاں اس

داخل کر دیتے ہیں جس کے ذریعہ اپنے اعتقادات کی تائید کرتے ہیں۔ بعض دیگر علماء کا یہ خیال ہے کہ اس گروہ کا نام حشویہ اس لیے رکھا گیا کیوں کہ یہ لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ مکان میں ہے یعنی عالم کے حشو میں ہے اور اس کے اندر ہے۔ (انوار)

فن کی تکمیل ابو بکر عبد الرحمان بن کیسان الاصم، ابراہیم النظّام، ہشام الفوطی، اور علی بن محمد الشحّام نے کی۔ اس کے بعد اس اعتزالی عقیدہ کو النظّام سے جاحظ اور ابن ابی دواد[٦] نے لیا۔ النظّام کی ملاقات واصل سے قطعاً نہیں ہوئی جیسا کہ بعض لوگوں کو وہم ہوا ہے۔

اعتزال کے اساطین

بغداد میں اعتزال کا عقیدہ جاحظ کے ذریعہ پھیلا، اور جاحظ سے اس عقیدہ کو ابو موسی

(٦) ابن ابی دواد نہ کہ ابن ابی داود۔ عام طور پر لوگ ان کے نام میں غلطی کر جاتے ہیں۔ دواد جس میں دال کے بعد واو ہے اسے داود سمجھ بیٹھتے ہیں جس میں دال کے بعد الف ہے۔ ابن ابی دوادؒ تاریخِ اسلام کی ایک حیرت انگیز شخصیت ہے۔ کہا جاتا ہے کہ عباسی خلفاء میں سب سے زیادہ ذہین اور عقلانیت پرست خلیفہ مامونؒ تھا۔ ابن ابی دوادؒ نے مامونؒ کو اپنی فکر کا گرویدہ بنالیا تھا، اور اسی طرح سے معتصمؒ بھی آپ کا شیدائی تھا۔ ابن ابی دوادؒ جو کچھ ان دونوں کے دربار میں بول دیتے وہی چیز قانون بن جاتی تھی۔ عموماً ابن ابی دوادؒ اس سلطانی طاقت کا استعمال مظلوموں کی مدد، غریبوں کی ہمدردی، اور لوگوں کو ظلم سے بچانے کے لیے کیا کرتے تھے۔ لیکن معتزلہ کے مذہب کی نصرت میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے تھے۔ خلقِ قرآن کے مسئلے کو لیکر امام احمد ابن حنبلؒ کے ساتھ تاریخِ اسلام کا جو انتہائی اندوہناک واقعہ پیش آیا ہے، اس کے پیچھے موصوف ہی کا ہاتھ تھا۔ موصوف کے اندر لوگوں کے تعاون کا جذبہ اتنا زیادہ تھا کہ ایک بار معتصمؒ کسی شخص سے بہت زیادہ ناراض ہو گیا، اور اس کو قتل کرنے کا ارادہ کر لیا۔ ابن ابی دوادؒ آئے اور اس شخص کو بچانا چاہا۔ دریں اثنا ابن ابی دوادؒ پیشاب کی وجہ سے مغلوب الحال ہو گئے، اور پیشاب کے لیے باہر جانا چاہتے تھے؛ لیکن رک گئے کیوں کہ انھیں یہ خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے جاتے ہی اس شخص کو قتل کر دیا جائے، چنانچہ جناب نے اپنے کپڑوں کو سمیٹ کر اسی میں پیشاب کر لیا، اور معتصم سے بات چیت کر کے اس آدمی کو بچا ہی لیا۔ اس کے بعد جب وہ وہاں سے اٹھ کر جانے لگے، تو معتصمؒ نے پوچھا کہ آپ کے کپڑے گیلے کیوں ہیں؟ اس پر ابن ابی دوادؒ نے پورا واقعہ سنایا، اور معتصمؒ ہنسی سے لوٹ پوٹ گیا۔ ابن ابی دوادؒ کے بارے میں مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں علامہ علی طنطاویؒ کی کتاب رجال من التاریخ جلد ا صفحہ ۱۴۷ (انوار)

بن صبیح نے لیا، اور ان سے جعفر بن حرب اور جعفر بن مبشّر نے، اور ان دونوں سے محمد بن عبد اللہ الاسکافی نے۔ الشحّام سے اس فن کو جُبّائی نے اخذ کیا، اور جُبّائی سے ان کے بیٹے ابو ہاشم نے، اور فوطی سے اخذ کیا عباد بن سلیمان نے۔ دراصل یہی سارے لوگ بصرہ اور بغداد میں اپنے اپنے دور میں اعتزال کے اساطین اور عمائدین تھے۔

خلقِ قرآن کا عقیدہ رکھنے والا سب سے پہلا شخص دمشق کا جعد بن درہم تھا۔ جہم بن صفوان نے خلقِ قرآن کے اس عقیدہ کو جعد بن درہم سے لیا، اور اپنی دیگر بدعتوں میں اس کو شامل کر کے اس کی اشاعت شروع کر دی۔ انھیں میں سے ایک عقیدہ تھا خلود فی النار کے نفی کا۔ جب حارث بن سریج نے بنو امیہ کے خلاف خراسان میں بغاوت کی تھی اور قرآن وسنت کی طرف لوٹنے کی دعوت کا آغاز کیا تھا تو اس وقت انھوں نے جہم سے تعاون لیا تھا۔

یہیں مقاتل بن سلیمان تجسیم کے اپنے عقیدہ کو پھیلانے میں لگے ہوئے تھے۔ جہم نے ان پر رد کرنا شروع کیا، اور جو جو عقیدہ مقاتل ثابت کرتے، جہم اس کی تردید کرتے، اور اس طرح سے وہ نفی میں افراط کے شکار ہو گئے، یہاں تک کہ انھوں نے یہ کہہ دیا کہ: ''جن اوصاف کے ساتھ بندوں کو متصف کیا جاتا ہے، ان کے ساتھ اللہ کو متصف نہیں کیا جا سکتا۔'' انھوں نے اشتراک فی الاسم اور اشتراک فی المعنی کے درمیان کوئی تفریق نہ کی جب کہ شریعت میں وارد ہونے کی شرط کے ساتھ ممنوع صرف دوسرا ہے نہ کہ پہلا۔ مثال کے طور پر علم کے ساتھ شریعت میں خالق اور مخلوق دونوں ہی کو متصف کیا گیا ہے، جب کہ یہ صفت دونوں میں معنی کے اعتبار سے مشترک نہیں ہے، کیوں کہ اللہ کا علم حضوری ہے اور مخلوق کا علم حصولی، اور اسی پر بقیہ صفات کو قیاس کیا جا سکتا ہے۔

جہم اور فرقۂ جہمیہ

جہم کی جانب بہت سی آراء منسوب کی جاتی ہیں۔ اس کے بعد اس کی جانب منسوب کوئی فرقہ نہیں رہا، اور جن لوگوں کو مخالفین جہمیہ کے لقب سے یاد کرتے ہیں، ان میں سے اکثر لوگوں کے ساتھ ایسا ''نبز بالالقاب'' کے مقصد سے کیا جاتا ہے، تاکہ مختلف فرقوں میں اس

شخص کو زیادہ سے زیادہ بدنام کیا جاسکے۔ جہم کے بعد اس کے خیالات اور نظریات کو ہر شخص نے اپنی تحقیق و تمحیص کے مطابق اپنے انداز سے سمجھنے کی کوشش کی، اسی لیے مختلف لوگوں کے ذریعہ اس کی جانب مختلف آراء منسوب کی جاتی ہیں، حالانکہ یہ تمام آراء جہم ہی کی ہوں ضروری نہیں۔اس طرح کا حادثہ عوام میں مشہور خیالات وافکار کے ساتھ ہوتا رہتا ہے۔

جس دوران اسلامی فتوحات کا سلسلہ تھوڑی دیر کے لیے تھم جاتا، تواس وقت لوگ ان منتشر آراء کے بارے میں اور بھی دلچسپی ظاہر کرنے لگتے، اور لوگوں کے ذہنوں میں تعمق اور بال کی کھال نکالنے کے خیالات پیدا ہونے لگتے۔ابن المقفع (۷)، حماد عجرد، یحیی بن زیاد،

(۷) عبداللہ بن المقفع نے سفاح کے چچا عیسی بن علیؒ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا، اور خلیفہ ابو جعفر منصورؒ کے لیے رسائل نگاری کا کام کیا کرتا تھا؛ لیکن زندقہ کے ساتھ متہم تھا۔ابن المقفع کی متعدد کتابوں میں زندقہ اور الحاد کی باتیں پائی جاتی ہیں۔ خلیفہ مہدیؒ کہا کرتے تھے: الحاد وزندقہ کی جتنی کتابیں موجود ہیں سب کا مصدر تین لوگ ہیں: ابن المقفع، مطیع بن ایاس، اور یحی بن زیاد۔ ملاحظہ فرمائیں حافظ ابن کثیر کی کتاب البداية والنهاية ج۱۳ ص۳۸۴ھ۔ابن المقفع کو عربی ادب کے صفِ اول کے انشا پردازوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ ناقدین اس کے ادب کی خصوصیت یہ بیان کرتے ہیں کہ اس میں اتنی جدت ہوتی ہے جس سے قاری یہ محسوس کرتا ہے کہ جیسے یہ کتاب اسی صدی میں لکھی گئی ہو، اور اسی طرح سے اس کی تعبیرات آسان، بلیغ، اور جملے بہت چھوٹے ہوتے ہیں۔اس شخص کی سب سے اہم کتاب كليلة ودمنة ہے۔اس کتاب کو عربی ادب کی دنیا میں ایک سنگِ میل سمجھا جاتا ہے۔ کوئی بھی ادیب اس کتاب سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ معروف یہ ہے کہ ابن المقفع نے اس کتاب کا ترجمہ کیا ہے؛ لیکن مورخین کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ یہ کتاب ابن المقفع کی تخلیق ہے نہ کہ کسی کتاب کا ترجمہ۔

ابن المقفع کے قتل سے متعلق جو واقعہ بیان کیا جاتا ہے وہ انتہائی حیرتناک ہے۔حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں: ابن المقفع کا قتل سفیان بن معاویہ بن یزید بن مہلب کے ہاتھوں ہوا۔ابن المقفع سفیان کو گالیاں دیا کرتا تھا، اور اس کے ساتھ استہزا کیا کرتا تھا۔سفیان کی ناک بہت بڑی تھی اور جب ابن المقفع کی اس سے ملاقات ہوتی تو وہ بطورِ استہزا کہتا: سلام عليكما۔یعنی کہ ابن المقفع سفیان کی ناک کو بھی ایک فرد قرار دیتا۔ایک بار اتفاق یہ ہوا کہ منصورؒ کسی وجہ سے ابن المقفع سے بہت زیادہ ناراض ہو گئے، اور سفیان کے پاس

مطیع بن ایاس، عبد الکریم بن ابی العوجاء[۸] جیسے لوگوں نے مسلمانوں کے درمیان الحاد وزندقہ پھیلانے کی سعیِ پیہم شروع کردی تھی، اور ان میں سے بعض نے فارس کے ملاحدہ اور ثنویہ کی کتابوں کا عربی ترجمہ بھی کردیا تھا۔ معاملہ کافی سنگین ہوچکا تھا۔ چنانچہ مہدی نے علماءِ جدل اور متکلمین کو ملحدین پر رد کرنے کے لیے کتابیں تصنیف کرنے کا حکم دیا۔ ان علماء نے اپنے طاقتور دلائل کے ذریعہ ان کے شبہات کو طشت از بام کیا، حق کی صحیح توضیح پیش کی اور اس طرح سے دینِ اسلام کی ایک عظیم خدمت کی۔

فوراً ایک تحریر روانہ کردی کہ ابن المقفع کو قتل کردیا جائے۔ سفیان نے ابن المقفع کو فوراً گرفتار کرلیا، ایک تنور گرم کیا، اور ابن المقفع کے جسم کے ایک ایک عضو کو کاٹ کاٹ کر اس تنور میں ڈالنے لگا یہاں تک اس نے اس طرح سے آہستہ آہستہ اس کے پورے جسم کو تنور کے حوالہ کردیا اور ابن المقفع لاچار دیکھتے رہتے کہ کس طرح سے انھیں کے اعضا کو انھیں کے سامنے نذرِ آتش کیا جارہا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں: البداية والنهاية ج۱۳ص۱۳۸۵ھ

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ بعض محققین نے ابن المقفع سے زندقہ اور الحاد کی نفی کی ہے اور یہ بتایا ہے کہ یہ ابن المقفع کو بدنام کرنے کی کوشش ہے۔ اسی طرح سے ابن المقفع کو قتل کرنے کے اسباب کے بارے میں بھی کافی اختلاف ہے۔ وائل حافظ خلف نے الأدب الصغير کے مقدمہ میں ابن المقفع پر کئے گئے اکثر فکری اور دینی اعتراضات کی تردید کی ہے۔ كليلة ودمنة کے علاوہ ابن المقفع کی چند کتابیں مندرجہ ذیل ہیں:

۱) الدرة الثمينة والجوهرة المكنونة۔ ۲) الأدب الصغير یہ کتاب سب سے پہلے شیخ طاہر الجزائریؒ کے ذریعہ طبع کی گئی۔ اس کے بعد دوبارہ معروف عربی ادیب احمد زکی پاشاؒ کے ذریعہ طبع کی گئی۔ اور دو سال قبل ۲۰۱۱م میں وائل حافظ خلف کے ذریعہ جدید معیار کے مطابق طبع ہوئی۔ ۳) رسالة الصحابة۔ ۴) الادب الكبير۔ (انوار)

(۸) یہ شخص حماد بن سلمہؒ کا ربیب تھا۔ اس شخص نے خود اعتراف کیا ہے کہ اس نے چار ہزار احادیث وضع کی ہیں۔ جب حماد بن سلمہؒ بہت ضعیف اور بوڑھے ہوگئے تھے تو اس وقت اس نے بہت سی ان موضوع روایات کو دیگر صحیح روایات کے ساتھ اپنے غیر حقیقی باپ حماد کی کتاب میں دھوکہ سے شامل کردیں۔ اس کے بعد یہی روایات حشویہ کے لیے اعتقادی امور میں دلائل بن گئے۔ (کوثریؒ)

ان دفاعی مورچوں پر ڈٹنے والے اور مخالفین کے اعتراضات کا دنداں شکن جواب دینے والے لوگ معتزلہ کے گروہ سے تعلق رکھتے تھے۔ چنانچہ معتزلہ دو دشمنوں کے درمیان پھنس گئے: ایک تو انتہائی عیار قسم کا خارجی دشمن تھا جو قدیم زمانہ سے فکر وفلسفہ سے بھرپور اور لیس تھا، اور دوسرا دشمن خود اپنی ہی گروہ کا تھا۔ قریب تھا کہ امت کا سوادِ اعظم اس دوسرے گروہ کے تقشف کی وجہ سے اس کی جانب کھنچا چلا جاتا، حالانکہ یہ گروہ مسائل عقلیہ سے بالکل نابلد تھا۔ اسی وجہ سے یہود اور ثنویہ کے گمراہ کن عناصر کی ملمع سازیاں ان میں رائج ہو گئیں۔ اس گروہ کا سب سے بڑا مشن تھا اہلِ نظر اور متکلمین پر طعن و تشنیع کرنا۔ یہ حضرات دوست اور دشمن کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتے تھے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اگر اس گروہ کو یہ ذمہ داری دے دی جاتی کہ یہ تھوڑی دیر کے لیے بھی دشمنانِ اسلام کے علمی اعتراضات کا جواب دے دیں، تو ان کا پتہ پانی ہو جاتا۔ بہر حال امت کے متکلمین اور مناظرین پہلے گروہ پر رد کرنے میں لگے رہے، اور اس دوسرے گروہ کے ساتھ بالکل چشم پوشی کا معاملہ کرتے رہے، یہاں تک ان حضرات نے زنادقہ اور ملاحدہ کا بھر پور جواب دے دیا، اور ان کے ملمع سازیوں کو واشگاف کر دیا۔ اس کے بعد یہ لوگ حشویہ کے عقائد شکنی کی طرف مائل ہوئے، اور ان کے اعتقادی سخافتوں کو بے نقاب کیا۔

ان متکلمین اور مناظرین کے ذہنوں میں اپنے مخالف مناظرین کی جانب سے غیر معمولی عقلی امراض سرایت کر گئی تھیں۔ اس عقلی رسہ کشی اور مناظروں کے دوران اکثر فقہاء اور حاملینِ سنتِ نبویہ ان مسائل میں الجھنے سے اعراض کرتے تھے، اور صحابہؓ اور خیارِ تابعین کی طرح دین کے ضروری اور ثابت شدہ امور سے ہی سروکار رکھتے تھے، حالانکہ دشمنانِ دین ایسے اسلحہ سے لیس تھے کہ ان کا مقابلہ کرنا صرف انھیں جیسے ہتھیاروں سے ممکن تھا۔ مسلمانوں کے ساتھ ان کی دشمنی آہستہ آہستہ بڑھتی جارہی تھی جب کہ جمہورِ اہلِ اسلام اس سے غافل تھے، اور دشمنانِ دین نے اپنے اعتراضات کے ذریعہ معاملہ اس حد تک پیچیدہ بنا دیا تھا کہ اگر اس کو یہیں چھوڑ دیا گیا ہوتا تو خدشہ اس بات کا تھا کہ ان کی تشکیکات و

تلبیسات مسلمانوں کے دلوں میں سرایت کر جائیں گی،اور پھر معاملہ ہاتھ سے نکل جاتا۔

مامون اور معتزلہ کی ہمنوائی

ان سنگین حالات میں مامون نے خلافت کی باگ ڈور سنبھالی، اور معتزلہ کی ہمنوائی کرنے لگا،اورانھیں اپنے قریب لاتا گیا یہاں تک کہ اس نے اپنی عقل اور اپنے مجالسین کی فہم کے مطابق لوگوں کو خلقِ قرآن کا عقیدہ اور تنزیہ کا عقیدہ رکھنے کے لیے مجبور کرنے لگا۔ یہ آزمائشی دور معتصم اور واثق دونوں ہی کی خلافت تک چلتا رہا۔ واثق نے نفیِ رویت [۹] کے مسئلہ کو مزید ہوادی، جس کی وجہ سے معتزلہ کے مخالفین کو سخت حالات سے گذرناپڑا،اور یہ دور متوکل پر جاکر ختم ہوا جس نے اس فتنہ کا خاتمہ کر دیا، اور امام احمد نے اس دوران صبر واستقامت کی ایسی مثال پیش کی جس کی وجہ سے آپ کا رتبہ ہمیشہ کے لیے بلند ہو گیا۔

متوکل کی زندگی میں کوئی ایسی خاص چیز نظر نہیں آتی جو قابلِ ستائش ہو سوائے اس بات کے کہ اس نے اس فتنہ کا خاتمہ کر دیااور لوگوں کو مختلف عقائد اور افکار کو موضوع بنا کر مناظرہ بازیوں سے روک دیا۔ متوکل ناصبی تھا،اور علی بن ابی طالب سے نفرت کرتا تھا۔اس سے کچھ ایسی حرکتیں صادر ہوئی ہیں جن کا تصور تک نہیں کیا جاسکتا۔

اس کے بعد فطری طور پر ردِ عمل منعکس ہونا شروع ہوا،اور نواصب اور حشویہ کا رتبہ

(۹) علمی جلالتِ قدر کے باوجود مجاہد بن جبرؒ سے علماءِ سنت کے اتفاق کے ساتھ دو باطل اقوال مروی ہیں: موصوف کاایک قول(لا تُدْرِكُهُ الأبْصارُ) کے بارے میں ہے، جس کی وجہ سے آپ نے رویتِ باری کی نفی کر دی،اور اسی قول کے قائل معتزلہ ہیں۔اور دوسرا قول مقامِ محمود کے بارے میں ہے، جسے حشویہ نے اخذ کیا ہے۔ یہ دونوں ہی رائیں باطل اور لغو ہیں۔ یہ بات عجیب سی لگتی ہے کہ یہ دونوں ہی باتیں مجاہدؒ کے یہاں کیسے آئیں،اور اس کا ثبوت آپ سے کس درجہ صحیح ہے۔ حدیث میں مقامِ محمود کے معنی کی تفسیر شفاعتِ کبری کے ساتھ تقریباًتواتر کو پہونچ چکی ہے، اور اسی طرح سے رویتِ باری کی احادیث بھی متواتر ہیں۔ (کوثریؒ)

بڑھنے لگا، اور اہلِ نظر اور معتزلہ کا خاتمہ ہونے لگا۔

اہلِ سنت والجماعت سے تعلق رکھنے والے فقہاء اور محدثین بغیر کسی شور وشرابہ اور ہنگامہ خیزی کے دینی علوم میں لگے ہوئے تھے، جب کہ حشویہ کا طبقہ طیش میں اندھا ہو کر، ہنگامہ خیزی اور شور وغوغا کو ہوا دیتا رہا، اور اللہ کی مقدس ذات کے بارے میں ایسے عقائد اور خیالات کو فروغ دیتا رہا جسے عقل وشرع بیک وقت ناجائز اور مستحیل قرار دیتے ہیں مثلاً: اللہ کے لیے حرکت، تنقل، حد، جہت، قعود، اقعاد، استلقاء، اور استقرار جیسے بہت سے باطل عقائد کا ثابت کرنا جس کو انھوں نے ثنویہ اور اہل کتاب کے تلبیس پردازوں اور تلمیع کاروں سے اخذ کیا تھا، نیز یہ کچھ ایسے عقائد تھے جسے انھوں نے پچھلی قوموں سے اخذ کیا تھا۔ اس طرح کے عقائد میں یہ حضرات ایسی کتابیں بھی لکھتے رہے جو دیگر علماء اور جماعتوں پر طعن وتشنیع سے بھری ہوتی تھیں۔ اس گروہ نے سلف کی جانب اپنے آپ کو منسوب کر کے، سنت کا نقلی لبادہ اوڑھ کر، سلف کے علماء کی مجمل عبارتوں کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے، خوف کی چادر کو چاک کرتے ہوئے تکفیر کی بازار گرم کر دی۔

ہاں اس جماعت کے سلف تھے؛ لیکن اس امت کے علماء نہیں، اور یقیناً یہ لوگ سنت پر قائم تھے؛ لیکن سنت نبوی پر نہیں؛ بلکہ گناہوں کی مثال قائم کرنے کی سنت پر۔ اس جگہ اس فرقہ کے رسوا کن عقائد کے تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔

معتزلہ علماء کے دانشور طبقہ کی عقلوں پر حاوی ہو جانا چاہتے تھے، اور امت میں اپنے رعب ودبدبہ کو بحال کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ملاحدہ اور قرامطہ کی مختلف جماعتیں فساد انگیزی میں پورے طور پر لگی ہوئی تھیں، اور مختلف ممالک میں ان کا زور بڑھتا جا رہا تھا۔ حالت اتنی خراب ہو گئی تھی کہ مسکت اور دنداں شکن دلائل کے ہتھیار سے مسلح لوگ دینِ اسلام کی جانب سے دفاع کرنے کے لیے محاذ پر نظر ہی نہیں آ رہے تھے جو ان باطل فرقوں کے مغالطوں کا ابطال کر سکیں، کیوں کہ یہ لوگ نئے احوال میں الجھے ہوئے تھے۔

امام ابوالحسن اشعریؒ کی دینی خدمات

اس نازک دور میں جب امام ابوالحسن اشعریؒ نے یہ دیکھا کہ مسلمان مختلف مشکلات سے دوچار ہیں، تو پھر آپ کی غیرتِ ایمانی نے آپ کو للکارا، اور آپ سنت کی نصرت اور بدعت کا قلع قمع کرنے کے لیے سینہ سپر ہوگئے۔ سب سے پہلے حضرت امامؒ نے امت کے دونوں فریقوں کے مابین مصالحت کی کوشش کی، اور دونوں گروہوں کو انتہا پسندی کی تنگ وادی سے نکال کر توسط اور اعتدال کی شاہراہ پر لا کھڑا کیا۔ پہلے گروہ سے آپ نے فرمایا: اگر قرآن کے مخلوق ہونے کا مقصد آپ لوگوں کی نظر میں اس کے الفاظ، تالی کی تلاوت، اور ظاہری نقش ہیں، تو پھر آپ لوگ حق پر ہیں۔ آپ نے دوسرے گروہ سے مخاطب ہو کر فرمایا: اگر قرآن کے قدیم ہونے سے آپ کا منشاذاتِ باری کے ساتھ قائم اور متصل صفت ہے، تو پھر آپ حضرات کا نظریہ درست ہے، جیسا کہ اس قول-یعنی کلامِ نفسی-کے قائل عبداللہ بن المبارکؒ بھی تھے۔ لیکن آپ حضرات تلفظ کرنے والے شخص کے الفاظ اور تالی کی تلاوت کے حدوث کا انکار نہیں کر سکتے۔

اسی طرح سے پہلے گروہ کو لفظ اور صوت کے بغیر ذاتِ باری کے ساتھ قائم صفت کے انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ پہلے گروہ سے آپ نے یہ بھی کہا: محاذات اور صورت کی نفی درست عقیدہ ہے، تاہم آپ حضرات پر بغیر کیفیت کے تجلی کا اعتراف کرنا ضروری ہے۔ دوسرے گروہ سے آپ نے یہ فرمایا: خبردار جو آپ حضرات نے صورت اور محاذات کا اثبات کیا، یا کسی بھی ایسی صفت کا جو حدوث کی غمازی کرے۔ اگر آپ حضرات آخرت میں مومنین کے لیے بغیر کیفیت کے رویت کے اثبات پر اکتفا کرتے ہیں، تو پھر آپ حضرات کا عقیدہ صحیح ہے۔

اس طرح سے اللہ نے حضرت امامؒ کو مسلمانوں کی شیرازہ بندی کا ذریعہ بنادیا، اور آپ سے اسلامی صفوں میں کافی وحدت پیدا ہوگئی، اور مخالفین کے چھکے چھوٹ گئے، اور ان کی انتہاء پسندی کا خاتمہ ہوتا گیا۔ پوری دنیا سے حضرت امامؒ کے پاس علمی اور اعتقادی سوالات آنا

شروع ہو گئے جس کا آپ شافی جواب دیتے رہتے۔ چنانچہ آپ کی شہرت آسمان کی بلندیوں کو چھونے لگی،اور آپ نے اور آپ کے تلامذہ نے اعتقاد کے موضوع پر دنیا کو اپنی تصانیف سے بھر دیا،اور مبتدعہ، ملاحدہ اور اہلِ کتاب کے مختلف گروہوں کے تشکیکات کی تردید فرمائی۔

آپ کے تلامذہ عراق، خراسان، شام، اور دیارِ مغرب میں پھیل گئے، اس کے بعد آپ اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

آپ کی وفات کے مختصر عرصہ بعد ہی معتزلہ بنو بویہ کے دور میں پھر سے ابھرنے لگے، لیکن ناصر السنۃ ابو بکر بن الباقلانیؒ ان کے سامنے سینہ سپر ہو گئے، اور اپنے طاقتور دلائل سے ان کی جڑیں اکھاڑ دیں۔ پورا عالمِ اسلام افریقہ کے دور دراز ممالک تک اشعری عقیدہ کا متبع بن گیا۔ ابن الباقلانیؒ نے مختلف ممالک میں اپنے تلامذہ کو تبلیغِ عقیدہ کی غرض سے بھیجا، جن میں آپ کے تلمیذِ رشید ابو عبداللہ الحسین بن عبداللہ بن حاتم الازدیؒ کا نام بھی آتا ہے جن کو موصوف نے ملک شام بھیجا، اور اس کے بعد قیروان اور پھر دیارِ مغرب میں۔ اس طرح سے مغرب کے اہلِ علم اور علماء اس عقیدہ کے سامنے جھکتے گئے، اور یہ عقیدہ صقلیہ اور اندلس تک پہونچ گیا۔ ابن ابو زیدؒ، ابو عمران الفاسیؒ، ابوالحسن القابسیؒ، ابوالولید بن الباجیؒ، ابو بکر بن العربیؒ، اور ان کے تلامذہ نے اس عقیدہ کی نشر و اشاعت میں بہت اہم رول ادا کیا ہے۔

جامعِ صحیح کے معروف راوی حافظ ابو ذر الہرویؒ نے اشعری مذہب کی نشر و اشاعت حجاز میں کی۔ پوری دنیا سے جو لوگ حجازِ مقدس میں سفر کر کے آتے تھے، وہ آپ سے یہاں اس مذہب کو اخذ کرتے تھے۔ اس سے پہلے یہ مذہب ملک شام میں امام اشعریؒ کے شاگردِ رشید ابوالحسن عبدالعزیز الطبریؒ کے ذریعہ پھیلا جو تفسیرِ ابن جریرؒ کے راوی تھے۔

اہلِ شام وقتاً فوقتاً مذہبِ اشعری کے بڑے بڑے ائمہ کو اپنے علاقہ میں بلایا کرتے تھے جیسے کہ نورالدین شہیدؒ نے علماء کی درخواست پر امام قطب الدین نیساپوریؒ کو بلایا تھا۔

ابن کرّام نے سرزمینِ قدس میں اپنے مریدین کی ایک کھیپ تیار کر دی تھی، اور اس سرزمین پر اپنے بہت سے متقشف قسم کے تلامذہ پیچھے چھوڑ دیا جو لگاتار اس کام کو کرتے

رہے۔ القدس کے بہت سے حنابلہ نے اس شخص سے اس کی آراء کو اخذ کیا۔ جب عیسائیوں نے القدس پر قبضہ کر لیا، تو اس وقت یہ حضرات وہاں سے ہجرت کر کے شام چلے آئے اور اپنے ساتھ تجسیم اور تشبیہ کی بدعتیں بھی لے کر آئے۔ ملکِ شام میں ابو یعلی کے شاگرد عبد الواحد شیرازی کے زمانہ سے بھی اس طرح کی کچھ بدعت پائی جاتی تھیں۔

سلطان صلاح الدین ایوبیؒ یہ سوچ کر ان لوگوں کی خاطر داری کیا کرتے تھے کہ یہ لوگ زاہد تھے اور اسی لیے ان کے اعتقادات سے آپ چشم پوشی کیا کرتے تھے۔ آپ لوگوں کو مذہبِ اشعری کو قبول کرنے پر مجبور نہیں کرتے تھے، جیسا کہ بہت سے لوگوں کا خیال ہے۔ مشہور حنبلی عالم وواعظ ابن نجیہؒ آپ کے مقربین میں تھے۔ سرزمینِ مصر میں اشعری مذہب کی نصرت اور تائید کا کام امام شہاب الدین طوسیؒ فرما رہے تھے، جن سے ابن نجیہ سخت نفرت کرتے تھے، اور یہ سب کچھ سلطان کی آنکھوں کے سامنے ہو رہا تھا، اور اس کے باجود سلطان خاموش تھے۔ یہی نہیں بلکہ قریب تھا کہ سلطان ایوبیؒ کا پورا خاندان اعتقاد کے اعتبار سے حشویہ کی جانب مائل ہو جاتا، اگر سلطان العلماء عزالدین بن عبد السلامؒ نے اس مسئلہ میں ہمت واستقلال کے ساتھ اپنی عالمانہ ذمہ داری کو نبھایا نہ ہوتا، جس کی وجہ سے حشویہ کی آوازیں پست ہو گئی تھیں، اور وہ اپنے بلوں میں گھس گئے تھے، اور اس کے بعد ان حضرات نے صرف روایت تک اپنے آپ کو محصور کر لیا۔

ان تمام تفاصیل سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مذہبِ اشعری مختلف ممالک میں علم کی طاقت سے پھیلا؛ نہ کہ سلاطین اور امراء کی طاقت سے۔ بغداد وغیرہ میں کبھی کبھار جو حشویہ کے خلاف کچھ تشدد کے واقعات پیش آئے ہیں تو یہ اس وجہ سے کہ یہ گروہ سماجی امن کے لیے خطرہ بن گیا تھا، اور ان سے عوامی انتشار کا اندیشہ تھا۔

مختلف مذاہب کے فقہاء اور علماء امام اشعریؒ کو اپنے اپنے مذہب کی جانب کھینچتے ہیں، اور اپنے طبقات وتراجم کی کتابوں میں آپ کا ذکر کرتے ہیں۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ حنابلہ اس دعوی کے سب سے زیادہ مستحق ہیں، کیوں کہ امام اشعریؒ نے خود ان کے ساتھ اپنے مناظرہ میں اس بات کی صراحت کی ہے کہ وہ امام احمدؒ کے مذہب کے متبع ہیں؛ لیکن اس

کے باوجود یہ لوگ اپنے طبقات میں موصوف کا ذکر بالکل نہیں کرتے، اور ان کو کسی بھی حال میں حنبلی قرار دینے کے لیے تیار نہیں ہیں (۱۰)۔ یہی نہیں بلکہ حنابلہ کا حشوی طبقہ جتنی نفرت امام اشعریؒ سے کرتا ہے شاید اتنی معتزلہ سے بھی نہیں کرتا۔

امام باقلانیؒ کے زمانے سے سارے مالکیہ، شوافع کا تین ربع، احناف کا ایک ثلث، اور حنابلہ کی ایک چھوٹی سی جماعت اسی اشعری عقیدہ کی متبع رہی ہے۔ دیارِ ماوراء النہر، ترکی ممالک، افغانستان، ہندوستان اور چین اور اس کے آس پاس کے علاقے ماتریدی عقیدہ کے متبع رہے ہیں، سوائے احناف میں سے ان چند لوگوں کے جو بعض شوافع کی طرح اعتزال کے دام میں پھنس گئے۔

مذہبِ مالکی کے متبعین میں بدعتی خباثتوں کا انعدام

عالم المدینہ، امام مالکؒ کے مذہب کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس مذہب کے متبعین میں بدعتی خباثتیں نہیں پائی جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مالکیہ کے درمیان اعتزال اور تشبیہ کی بدعتیں نہیں پائی جاتی ہیں، اگرچہ ابن تومرت کے زمانے سے بعض مالکیہ کے یہاں تصوف میں کچھ غلو پایا جاتا رہا ہے۔ جہاں تک میرا خیال ہے شاید اس کی سب سے اہم وجہ یہ ہے کہ امام مالکؒ

---

(۱۰) مختلف مذاہب کے لوگ امام اشعریؒ کو اپنے مذہب کی جانب کھینچتے ہیں، اور اپنی جماعت کا بتاتے ہیں۔ مالکیہ آپ کو مالکی، اور شافعیہ آپ کو شافعی، اور اسی طرح سے حنفیہ آپ کو حنفی بتاتے ہیں۔ عام طور پر لوگوں کے ذہن میں یہ ہے کہ موصوف شافعی المذہب تھے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ اکثر مورخین شافعی المسلک تھے، اور بسا اوقات شافعیہ بڑے بڑے ائمۂ دین کو اپنے مذہب کی اہمیت جتلانے کے لیے اپنے طبقات میں شامل کرلیتے ہیں۔ علامہ تاج الدین سبکیؒ کی کتاب طبقات الشافعیۃ الکبری میں بہت سے ایسے علماء کو شامل کرلیا گیا ہے جو اصلاً حنفی المذہب تھے۔ امام اشعریؒ کے حنفیت کے اثبات کے موضوع پر احقر کا ایک مختصر مضمون ہے، جسے ان شاء اللہ کسی مناسب مقام پر شائع کریں گے۔ مولفِ کتاب علامہ کوثریؒ کی بھی یہی رائے ہے کہ امام اشعریؒ حنفی تھے۔ (انوار)

صفاتِ باری کی احادیث روایت کرنے سے منع کرتے تھے۔ اسی طرح سے امام احمدؒ ظالم حکام کے خلاف خروج اختیار کرنے اور بغاوت کرنے کی احادیث کے روایت سے منع کرتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بغداد کے خلفاء حنابلہ کی ہر حرکت سے چشم پوشی کرنے لگے، بلکہ انھیں اپنے قریب لانے لگے۔ بعض حنابلہ تفویض اور صفات کے سلسلے میں کلام کرنے سے اعراض کے بارے میں سلف کے مسلک پر تھے، جب کہ بعض دوسرے حنابلہ معتزلہ سے جا ملے۔

لیکن حنابلہ [۱۱] کی اکثریت صدیوں سے فرقۂ سالمیہ اور کرامیہ کے طریقہ کے مطابق حشویہ رہی ہے یہاں تک کہ بادشاہ ظاہر بیبرسؒ نے پہلی بار مذاہب اربعہ کے قاضیوں کی تعیین کی۔ چنانچہ حنابلہ کا گروہ بھی علماءِ اہلِ سنت کی صحبت میں رہ کر اور ان کے ساتھ علمی مذاکرات کے ذریعہ ان کے عقیدہ سے قریب ہو گیا اور ان کی بدعات سے متعلق امراض آہستہ آہستہ ختم ہونے لگیں۔ قریب تھا کہ حنابلہ میں بھی کوئی حشوی نہ پایا جاتا، اگر بغداد کے سانحہ کے بعد حرّان کے قافلہ نے سرزمینِ شام کو اپنا مقر نہ بنایا ہوتا۔

---

(۱۱) بعض علماء کا قول نقل کیا جاتا ہے: إمامان جليلان ابتليا بأصحاب سوء: جعفر الصادق وأحمد بن حنبل۔ یہ تبصرہ واقعی بہت ہی درست اور برحق ہے۔ حنابلہ نے سنت کے نام پر امام احمدؒ کی جانب غلط قسم کی روایات منسوب کر کے، اور سلف اور خصوصاً امام احمدؒ کے اقوال کی غلط تشریح کر کے حقیقی تجسیم کا ارتکاب کیا ہے۔ قاضی ابو بکر ابن العربیؒ اپنی کتاب العواصم من القواصم ص ۲۱۰ میں فرماتے ہیں: ''مجھے میرے بعض مستند مشائخ نے بتایا ہے کہ بغداد میں، سید الحنابلہ، قاضی ابو یعلی محمد حسین فراء حنبلیؒ جب اللہ کا ذکر کرتے تو کہتے: ألزموني ما شئتم فإني التزمه إلاّ اللحية والعورة یعنی میرے اوپر جو الزام چاہے ڈال لو؛ میں تو اللہ کے پورے وجود سے چمٹ جاتا ہوں سوائے لحیہ اور عورت کے۔'' بلاشبہ یہ ایک بدترین قسم کا مذاق ہے اور ذاتِ خداوندی کی نادانستہ تحقیر ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

لیکن اس کے باجود حنابلہ کے درمیان ایک چھوٹی جماعت پائی جاتی رہی ہے جو ہمیشہ جمہور کے مسلک کے قریب رہی ہے۔ ایسے حنبلی علماء میں شامل ہیں: امام ابن الجوزیؒ، اور امام ابن عقیل حنبلیؒ وغیرہ۔ یہ لوگ حنبلی ہونے کے باجود صحیح عقائد کے حامل تھے۔ امام ابن الجوزیؒ نے تو حنابلہ کے عقائد کی رد میں کتاب بھی لکھی ہے۔ ان شاء اللہ اس موضوع پر ہم کسی اور کتاب میں مزید تفصیلات فراہم کریں گے۔ (انوار)

ابن تیمیہؒ (۱۲) اور حشویت کی تائید

اس گروہ سے تعلق رکھنے والا ایک شخص تھا جس کا نام ابن تیمیہ تھا۔اس شخص نے اچھی

(۱۲) ابن تیمیہؒ کے بارے میں علماء کے درمیان شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔اکثر علماءِ اہلِ سنت والجماعت کے نزدیک ابنِ تیمیہؒ نے جن مسائل میں اختلاف کیا ہے اس میں وہ غلطی پر ہیں اور ناقابلِ تقلید ہیں۔علماء کی ایک بڑی جماعت ہمیشہ حافظ ابن تیمیہؒ پر سخت تنقید کرتی رہی ہے یہاں تک کہ ایک جماعت نے تو ان کی تکفیر تک کردی ہے۔جب کہ ایک دوسرا گروہ، جسے موجودہ زمانہ میں سلفیہ کے نام سے جانا جاتا ہے، اس کے برعکس امام ابن تیمیہؒ کی اتنی تقدیس کرتا ہے کہ ان کی آراء کو تمام علماءِ اسلام کی آراء پر مقدم کرتا ہے، اور غلو کی حد تک تعظیم کرتا ہے، اور تمام عالمِ اسلام پر ان شاذ آراء کی تقلید کو واجب قرار دیتا ہے۔

ابن تیمیہؒ پر جمہورِ علماء کے نقد کے اسباب ہیں ابن تیمیہؒ کی آراء میں کثرتِ شذوذ، متعدد اصولی اور فروعی مخالفتیں، کئی اجماعی مسائل کا خرق، دورانِ تردید علماء کی شدید تنقیص، اور بڑے بڑے ائمہ اور علماء وفقہاء حتیٰ کہ صحابہ تک کی شان میں گستاخانہ کلمات وغیرہ جس کی مکمل تفصیل ہم ان شاءاللہ اپنی کتاب ''ابن تیمیہؒ—افکار و نظریات'' میں بیان کریں گے۔حافظ ابوسعید علائی نے ابن تیمیہ کی شاذ آراء اور مخالفات کو اپنی بعض کتابوں میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔چوں کہ حافظ علائیؒ امام ابن تیمیہؒ کے معاصر تھے اس لیے ان کے اکثر احوال وامور سے اچھی طرح سے واقف تھے۔مشہور حافظِ حدیث ومورخ شمس الدین بن طولون حنفیؒ نے اپنی کتاب ''ذخائر القصر'' ۶۹ مخطوط میں حافظ علائی کے واسطے سے ان تمام مسائل کا ذکر کیا ہے جس میں ابن تیمیہؒ نے علماءِ اسلام کی اصول وفروع میں مخالفت کی ہے۔اس مختصر رسالہ میں اس سے زیادہ تفصیل کی گنجائش نہیں۔

بہر حال، ابنِ تیمیہؒ کے بارے میں سب سے معتدل نظریہ یہ ہے کہ جن مسائل میں موصوف نے امتِ محمدیہ کے جمہورِ علماء کی مخالفت کی ہے ان میں آپ کو قطعاً قابلِ تقلید نہیں مانا جا سکتا، اور اس کے علاوہ وہ علمی، شرعی اور دینی تحقیقات جن میں آپ بغیر مخالفت اور خرقِ اجماع کے نادر تحقیقات پیش کرتے ہیں، وہ واقعی ایک عظیم علمی سرمایہ ہے، جس کے لیے ہمیشہ آپ کو یاد کیا جائے گا اور آپ کی تحقیقات اور تنقیحات سے استفادہ کیا جائے گا۔ایک اور قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ ہر طالب علم کو ابن تیمیہؒ، ابن قیمؒ، ابن حزمؒ، شوکانیؒ، صنعانیؒ، اور نواب صدیق حسن خانؒ وغیرہ جیسے آزاد خیال علماء کی کتابوں کا مطالعہ نہیں کرنا چاہئے۔صرف ایسے علماء کو ان حضرات کی کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہئے جو جید الاستعداد ہوں اور مختلف آراء ومذاہب، اہم دینی عقائد اور علمِ کلام وغیرہ پر اچھی گرفت رکھتے ہوں۔(انوار)

طرح سے علم حاصل کیا؛ نیز شاندار حافظہ اور ذہانت کا مالک تھا، اور ایسے کمالات اور صلاحیت کا حامل تھا جس کے ذریعہ یہ علماء اور مشائخ کے اعتماد کو جیتنے میں کامیاب ہو گیا، اور یہ سب اس کے مداح بن گئے۔ یہ ایک چرب زبان خطیب اور بلیغ البیان مقرر تھا۔ اچانک یہ شخص سلف کے مذہب کا لبادہ اوڑھ کر اہلِ سنت والجماعت کے مذہب کو ہٹا کر اس کی جگہ پر مذہبِ حشویہ کو لانے کی منصوبہ بندی میں ہمہ تن مصروف ہو گیا۔ یہ اس حقیقت کو نہیں پہچان سکا کہ اشاعرہ اور ماتریدیہ اہلِ سنت والجماعت کے عقیدہ کی تمام صدیوں میں نابغۂ روزگار اہلِ نظر اور فقہ فی الدین رکھنے والے ائمہ ـــــ یہ حشوی شخص جن حضرات کے چھوٹے تلامذہ کے رتبہ کے برابر بھی نہیں ہے ـــــ کے ذریعہ اتنی تحقیق و تمحیص کر لی گئی ہے، اور اس عقیدہ کے دلائل و براہین اتنے طاقتور ہیں کہ اگر اس جیسا آدمی اس سے ٹکرانے کی کوشش کرے گا تو اسے خود اپنا سر توڑ لینے کے علاوہ کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔ چونکہ علومِ نظریہ میں اس نے اپنا کوئی معلم یا مرشد نہیں بنایا جو اس کی اچھی طرح سے رہنمائی کر سکے، اس لیے اس شخص کا علم کسی مضبوط بنیاد پر نہیں قائم ہوتا۔ یہ علمی مباحث میں کافی خلط ملط کرتا رہتا ہے، اور اس کی کتابوں میں تناقضات کی بھرمار ہوتی ہے۔ اس شخص کی صلاحیتیں مختلف باطل آراء کی تائید میں ضائع ہو کر رہ گئیں، اور آخر کار وہ چیز کر بیٹھا جو اسے نہیں کرنا چاہیئے تھا۔ اس کا فتنہ اس وقت ختم ہوا جب سارے علماء نے اس پر رد کرنا شروع کیا۔

فصلِ دوم
مختلف فرقوں کے ظہور کے اسباب اور ان کے خدوخال

خوارج اور شیعہ

خوارج اور شیعہ مذہب کی نشو نما میں علم کا کوئی دخل نہیں رہا ہے؛ کیوں کہ یہ دونوں فرقے سیاسی جذبات اور اثرات کے نتیجہ میں ظہور پذیر ہوئے، اس کے بعد دشمنانِ دین اور زنادقہ بھی اس گروہ میں گھس گئے، اور پھر ان دونوں گروہوں میں شرمناک تبدیلیاں رونما ہونا شروع ہوئیں۔ ان دونوں گروہوں کا اصل مشن موجودہ حکومتوں کے خلاف بغاوت تھا۔

مرجئہ

مرجئہ کا فرقہ ایک طرح سے علمی بحث و مباحثہ کے نتیجہ میں ظاہر ہوا۔ اس گروہ کا اصل مقصد اعتقادیات میں خوارج کی مخالفت تھی۔ اس کے بعد اس گروہ میں ایسی اعتقادی آراء پیدا ہو گئیں جو دین اور علم سے دور ہونے کے ساتھ ساتھ عملیات میں سستی اور لاپرواہی کا موجب تھیں۔

جبریہ

جبریہ جمود کی دعوت دیتے تھے، اور یہ تباہی کا سائرن تھے۔ اس فرقہ کا وجود غیر علمی بحث ومباحثہ کے نتیجہ میں ہوا۔ سمنیہ اور براہمہ جیسے دیگر اباحیت پسند اور غیر معروف فرقوں کے اثرات کی وجہ سے ان کے اعتقاد کی نشو نما ہوئی۔

قدریہ

قدریہ کا وجود علمی بحث ومباحثہ کے نتیجہ میں ہوا، اور ان کا اصل مشن عملی سستی اور کاہلی کے خلاف آواز اٹھانا تھا۔ بعد میں چل کر یہ گروہ ثنویہ کی آراء سے متاثر ہو گیا۔

حشویہ

رہا مسئلہ حشویہ (۱۳) کا تو اس گروہ کو تو جہالت اور جمود نے علمی انحطاط کے دلدل میں دھکیل دیا ہے۔ یہ گروہ کچھ ایسے جاہلی آراء پر ایمان رکھتا ہے جو دراصل اسلام سے پہلے موجود فرقوں سے ماخوذ ہیں۔ اسی کے ساتھ ساتھ، ثنویہ، اہلِ کتاب، اور صابئہ فرقوں کے تلبیس کاروں کے تلبیسات کو اس گروہ میں خوب پذیرائی ملی۔ یہ لوگ اپنے تقشف کے ذریعہ لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں، ان میں ایسی جہالتیں پائی جاتی ہیں جو ایک عقلمند کے تصور سے بالاتر ہوتی ہیں۔ یہ لوگ بداخلاق، بے رحم، اور انتہائی سخت طبیعتوں کے حامل ہوتے ہیں۔ یہ لوگ ہمیشہ امت میں فتنہ پروری کے لیے مواقع کی تلاش میں رہتے ہیں۔ ان کے خیالات صرف اس وقت مقبول ہونا شروع ہوتے ہیں جب اسلام ضعف اور انحطاط کا شکار ہوتا ہے۔ (۱۴) جب ان

---

(۱۳) حشویہ سے مراد مجسمہ اور مشبہ ہیں، اور اس میں اکثر حنابلہ اور موجودہ زمانے کے سارے کے سارے سلفی، غیر مقلد، اہلِ حدیث اور لامذہبی لوگ شامل ہیں۔ اسی طرح سے سارے ظاہر پرست محدثین بھی اس میں داخل ہیں۔ (انوار)

(۱۴) واقعی آج اگر غور کیا جائے تو امام کوثریؒ کا تبصرہ پورے طور پر من وعن صادق آتا ہے۔ اگر سلفیت

کے اعتقادات سماج میں چھانا شروع ہوتے ہیں، تو اس وقت الحاد اور شدت اختیار کرنے لگتا ہے۔تاریخِ اسلام کے تمام ادوار میں ان لوگوں کی یہی حالت رہی ہے۔یہ گروہ عقل اور نظری علوم، نیز ہر غالب فرقہ کا دشمن ہوتا ہے۔[(۱۵)]

معتزلہ

معتزلہ حشویہ کے بالکل برعکس ہوتے ہیں۔یہ گروہ علمی بحث ومباحثہ کے نتیجہ میں پیدا ہوا۔ان کی بے لگام اور پر تجسس عقل نے انھیں ہر چیز کی تہ تک پہونچنے کے لیے تقریباً مجبور کر دیا۔ ان کی اصل دشمنی جمود کے ساتھ ہے۔ان کا اصل مشن طاقتور دلائل اور دنداں شکن علمی براہین کے زور پر خارج سے اسلام پر کئے گئے اعتراضات کا جواب دینا ہے۔دینِ اسلام کی جانب سے دہریوں، منکرینِ نبوت، ثنویہ، نصاریٰ، یہود، صابئہ اور دیگر مختلف قسم کے ملاحدہ کے خلاف علمی ردود کے ذریعہ اس گروہ نے بہت سے کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں۔

معتزلہ کی تصانیف میں علمی فوائد

ذہبیؒ جیسے محدث نے اپنی کتاب ''سير أعلام النبلاء'' میں جاحظ کی کتاب

کوئی اچھی چیز ہوتی تو قدماءاس کے سب سے زیادہ مستحق تھے۔اس باطل عقیدہ کا اس دور میں شیوع خود اس پورے گروہ کو شک کے دائرہ میں ڈال دیتا ہے۔ان کا لٹریچر اور ان کی باغیانہ فکر، اور ان کا تکفیری اور تضلیلی مزاج اس بات کا غماز ہے کہ ان کے اندر وہی جراثیم اور منفی خیالات کام کر رہے ہیں جو خوارج کے اندر تھے۔نعوذ باللہ من ذالک (انوار)

(۱۵) اس گروہ میں تین بنیادی عیوب پائے جاتے ہیں: ۱) اعتقاد اور دینی معرفت کے لیے صرف نصوص پر اعتماد کرنا، اور تمام عقلی دلائل کی تردید کرنا؛ حالانکہ خود نصوصِ شرعیہ میں دینی عقائد کے اثبات کے لیے عقلی دلائل اور براہین کا استعمال کیا جاتا ہے۔۲) سوءِ فہم کی بناپر مذہبی نصوص کی غلط تشریح ۳) نصوصِ شرعیہ کی لفظی فہم اور تشریح جو بسااوقات انھیں اللہ کی ذاتِ مقدس کو مخلوق کے ساتھ تشبیہ اور واضح تجسیم کا مرتکب بنادیتی ہے۔ (انوار)

''النبوۃ'' کاذکر کیا ہے اور جاحظ کے حق میں رحمہ اللہ استعمال کیا ہے۔[16] نبوت کے تئیں

---

(۱۶) حافظ ذہبیؒ نے ''سير أعلام النبلاء'' میں جاحظ کے حق میں رحمہ اللہ کے بجائے عفااللہ عنہ استعمال کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں امام ذہبی کی کتاب سير أعلام النبلاء ج۱۱ص۵۳۰۔ ممکن ہے امام کوثریؒ کے پاس سير أعلام النبلاء کا جو نسخہ تھا اس میں رحمہ اللہ ہی رہا ہو۔ بہر صورت، امام ذہبیؒ کی جانب سے جاحظ کے لیے خدا سے رحمت اور معافی کی دعا بھی بہت بڑی چیز ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تمام حشویہ، یعنی محدثین کا وہ طبقہ جس میں اکثر حنابلہ شامل ہیں اور جو علماء حافظ ابن تیمیہؒ کی آرا سے متاثر ہیں، وہ معتزلہ وغیرہ کی کھل کر تکفیر کرتے ہیں، اور ایسے لوگ جو اعتزال کے اہم ارکین اور صنادید تھے اور جنھوں نے اپنے علم اور ادب کے ذریعہ پوری زندگی اعتزال ہی کی تبلیغ میں گذار دی ہو ان حضرات کے نزدیک ہر گز قابل معافی اور قابل رحم نہیں ہو سکتے۔

حافظ ذہبیؒ جاحظ کے بارے میں فرماتے ہیں: قلت: ما روى من الحديث إلا النَّزْرَ اليسير، ولا هو بمتهم في الحديث، بلى في النفس من حكاياته ولهجته، فربما جازف، وتلطخه بغير بدعة أمر واضح، ولكنه أخباري علامة، صاحب فنون وأدب باهر، وذكاء بيِّن ، عفا الله عنه .یعنی جاحظ نے شاذونادر ہی احادیث کی روایت کی ہے، اور وہ حدیث کے باب میں متہم بھی نہیں ہے؛ لیکن اس کے بیان کردہ واقعات اور حکایات پر شک ہوتا ہے کیوں کہ یہ کبھی کبھی مجازفات سے کام لیا کرتا ہے، اور اس کا کئی بدعتوں میں ملوث ہونا ایک معروف بات ہے؛ لیکن ساتھ ساتھ یہ بہت بڑا مورخ اور علامہ، مختلف فنون کا شناور، اور حیرت انگیز ادیب، اور غیر معمولی ذہین شخص تھا۔ ملاحظہ فرمائیں امام ذہبی کی کتاب سير أعلام النبلاء ج۱۱ص۵۳۰ امام ذہبیؒ اسی کتاب میں ج۱۱ ص۵۲۷پر مزید فرماتے ہیں: كان من بحور العلم وتصانيفه كثيرة جداً۔ قيل: لم يقع بيده كتاب قط إلا استوفى قراءته حتى إنه كان يكتري دكاكين الكتبيين ويبيت فيها للمطالعة وكان باقعة في قوة الحفظ. یہ شخص بحر العلوم تھا، اور اس کی تصانیف کثرت سے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ جو کتاب بھی اس کے ہاتھ لگ جاتی اسے اس وقت تک نہ چھوڑتا جب تک اسے پورے طور پر ختم نہ کرلیتا، یہاں تک کہ کتب فروشوں کی دکانیں کرایہ پر لے کر پوری رات اس میں مطالعہ میں منہمک رہتا، اور بلا کی قوتِ حافظہ کا مالک تھا۔

بعض ناقدین کا کہنا ہے کہ جاحظ کے ادب میں حسنِ بیان، استقصاءِ معانی، دقائق انشائیہ کا استیعاب، جزالتِ الفاظ، اور سلاستِ بیان کی بھرمار ہوتی ہے۔ ساتھ ساتھ اس کے کلام میں سوقیت

تشکیک پردازوں کی تشکیکات کو دفع کرنے اور دلائل کی قوت، زورِ بیان، اور حسنِ اسلوب کے اعتبار سے آج تک مجھے قاضی عبدالجبار معتزلیؒ کی کتاب ''تثبیت دلائل النبوة[١٧] '' جیسی کوئی کتاب نہ مل سکی۔ معتزلہ کی کتابوں سے بالکلیہ اعراض کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ ان کی کتابوں میں کتنے ایسے علمی فوائد اور نکات ملتے ہیں جو ایک طویل زمانہ گذر جانے کے بعد آج بھی اپنے جدید اور حسین پیرہن میں پورے آب وتاب کے ساتھ باقی ہیں۔[١٨]

استاذ امام محمد عبدہؒ[١٩] معاصر مخالفینِ دین کے اعتراضات کا دفع کرنے کے لیے ان کی

اور ملوکیت، اور عامیت اور خاصیت بیک وقت موجود ہوتے ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: خدا کی قسم جاحظ کی تمام کتابوں میں یہ امتیازات پائے جاتے ہیں۔ فسبحان من أضله على علم ملاحظہ فرمائیں: لسان المیزان ج٦ص١٩٠ تحقیق شیخ ابوغدہؒ (انوار)

(١٧) یہ کتاب آستانہ میں علی پاشا شہیدؒ کی لائبریری میں محفوظ ہے۔ (کوثریؒ) لیکن اب یہ کتاب دو ضخیم جلدوں میں بیروت سے ڈاکٹر عبدالکریم عثمان کی تحقیق کے ساتھ طبع ہو چکی ہے۔ (انوار)

(١٨) مثال کے طور پر صاحبِ کشاف علامہ ابو القاسم زمخشریؒ کو دیکھ لیں۔ سارے علماء جانتے ہیں کہ موصوف ایک متعصب اور متعنت قسم کے معتزلی تھے، اس کے باوجود کوئی عالم آپ کی کشاف سے مستغنی نہیں، کیوں کہ اس کے علاوہ اور کوئی گرہ کشا تفسیر مشکل سے مل پاتی ہے۔ زمخشریؒ اتنے متحمس اور متشدد قسم کے معتزلی تھے کہ جب کسی کی زیارت کے لیے اس کے گھر جاتے تو دروازہ کھٹکھٹاتے وقت فخریہ انداز میں کہا کرتے تھے ''أبو القاسم المعتزلي بالباب''۔ ملاحظہ فرمائیں ابن خلکان کی کتاب وفیات الأعیان ج٥ص١٧٠ (انوار)

(١٩) امام کوثریؒ محمد عبدہؒ اور ان کے افکار کی حقیقت سے اچھی طرح سے واقف تھے۔ آپ نے ان کے ابتدائی اور آخری حالات کے بارے میں اپنے مقالات میں صفحہ ٣٧٣، اور ٥٤٨ پر اشارہ کیا ہے، اور اسی طرح سے آپ نے اپنے رسالہ صفعات البرهان على صفحات العدوان میں بھی محمد عبدہؒ پر تنقید کی ہے۔ محمد عبدہؒ نے یقیناً ایک نسل کو متاثر کیا ہے، اور عالمِ اسلام خصوصاً عرب میں آپ کو ایک ہیرو، اور دینی اصلاح اور مذہبی بیداری کا علمبردار قرار دیا جاتا ہے، اس کے باوجود مفکرین کی ایک جماعت محمد عبدہؒ سے مطمئن نہیں ہے اور ان کے کارناموں کو مثبت سے زیادہ منفی سمجھتی رہی ہے۔ واللہ اعلم (انوار)

کتابوں سے کافی اخذ کیا کرتے تھے، اور ان کی حق تلفی کئے بغیر ان کے علوم سے استفادہ کرنے سے بالکل پہلو تہی نہیں کرتے تھے۔

لیکن اس گروہ کے اندر دشمنانِ دین کے ساتھ اکثر مناظرات میں لگے رہنے کی وجہ سے ایسی آراء در آئیں جس کی وجہ سے یہ حقیقت سے پرے ہوتے چلے گئے، اور بہت سی بدعتوں میں ملوث ہو گئے جس کی تردید ہمارے آئمہ نے فرمادی ہے۔ امام خطابیؒ ''معالم السنن'' میں فرماتے ہیں: ''شروع زمانے کے معتزلہ اِن ساری بدعتوں کے خلاف تھے، یہ ساری بدعات تو بعد کے کچھ معتزلہ نے پیدا کی ہیں۔''

اشعریہ معتزلہ اور حشویہ کے بیچ کا ایک معتدل اور متوسط گروہ ہے۔ نہ تو یہ گروہ معتزلہ کی طرح علومِ نقلیہ سے دور ہوا، اور نہ ہی حشویہ کی طرح علومِ عقلیہ سے۔ یہ گروہ برگزیدہ علماءِ متقدمین کے علوم کا وارث ہے۔ اس نے ہر فرقہ کی گمراہیوں کو ترک کر کے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحابؓ کی سنت کی حفاظت کی، اور پوری دنیا کو علم سے مالا مال کر دیا۔ پانچویں صدی سے اس گروہ کے درمیان کچھ ایسے لوگ پائے جاتے رہے ہیں جو اشعریت پر رہتے ہوئے سنت کے مطابق تصوف سے وابستہ رہے ہیں۔

متکلمین کے پورے گروہ میں امام اشعریؒ کے پایہ کا کوئی بھی شخص نہیں گذرا ہے۔ اس کے باوجود بھی آپ کی بعض آراء ایسی ہیں جو بظاہر غور کرنے والے کی نظر میں کبھی تو عقل کی کسوٹی سے اور کبھی تو نقل و روایت سے دور ہوتی ہیں، مثلاً دلیل نقلی کو سامنے رکھتے ہوئے تحسین و تقبیح، اور اسی طرح سے تعلیل کے بارے میں آپ کا قول باوزن نہیں ہے۔ اس کے علاوہ آپ کی کچھ اور بھی ضعیف آراء ہیں۔ جو شخص بھی مختلف قسم کے معتزلہ اور حشویہ کے ساتھ طویل مباحثات اور جدل و مناظرات میں اتنا طویل عرصہ گذار چکا ہوگا، ظاہر ہے اس کے کلام میں اس طرح کی کچھ نہ کچھ خرابیاں ضرور آجائیں گی۔

اس طرح کی خرابیاں ماوراء النہر کے شیخ السنۃ اور موصوف کے معاصر، متکلمِ اسلام، امام

الہدی ابو منصور الماتریدیؒ کے یہاں اس لیے نہیں پیدا ہوئیں کیوں کہ اس علاقہ میں اہلِ سنت والجماعت ہر طرح کے مبتدعہ پر پورے طور پر غالب تھے۔اسی لیے آپ کے ساتھ ان کی آوازیں ہمیشہ دبی رہیں اور اسی لیے امام ماتریدیؒ کے افکار میں اعتدال پورے طور پر موجود ہے۔ چنانچہ آپ منقولات اور معقولات دونوں کو مساوی اہمیت دینے میں کامیاب ہوگئے۔ماتریدیہ اشاعرہ اور معتزلہ کے درمیان کا گروہ ہے۔ان کے درمیان متصوفین کم ہی ہوتے ہیں۔

امام اشعریؒ اور امام ماتریدیؒ اہلِ سنت والجماعت کے دو مقتدا

امام اشعریؒ اور امام ماتریدیؒ دونوں متکلمین مشرق و مغرب میں اہلِ سنت والجماعت کے پیشوا ہیں۔ ان کی تصانیف حصر سے بالا تر ہیں۔ ان دونوں بزرگوں کے درمیان جو اختلافات پائے جاتے ہیں وہ عام طور پر اختلافِ لفظی کے قبیل سے ہیں۔[۲۰] اس موضوع پر کچھ کتابیں بھی لکھی گئی ہیں، جس کی سب سے عمدہ تلخیص علامہ بیاضیؒ نے "إشارات المرام من عبارات الإمام" میں کی ہے،اور اس کی نصوص کو امام زبیدیؒ نے "إحياء علوم الدين" کی شرح[۲۱] میں نقل کیا ہے؛ لیکن زبیدیؒ کی شرح کے مطبوعہ نسخہ میں اغلاط کی

(۲۰) علامہ کشمیریؒ فرماتے ہیں متکلمین کے دو گروہ ہیں: ایک گروہ کو اشعریہ کہا جاتا ہے اور یہ حضرات شیخ ابوالحسن اشعریؒ کی جانب منسوب ہیں۔ اکثر شوافع اور مالکیہ آپ ہی کے متبع رہے ہیں۔ اور دوسرے گروہ کو ماتریدیہ کہا جاتا ہے، اور یہ لوگ شیخ ابو منصور ماتریدیؒ کی جانب منسوب ہیں۔ یہ دونوں بزرگ معاصر تھے، اور شیخ ابو منصورؒ دونوں میں سب سے چھوٹے تھے۔ اکثر احناف نے آپ کی تقلید کی ہے۔ان دونوں کے درمیان چند ہی مسائل میں اختلاف پایا جاتا ہے جس کا ذکر علماء نے کر دیا ہے۔ملاحظہ فرمائیں: فيض الباري على صحيح البخاري ج۲ص۴۱۹
لیکن ایک بات ضرور یاد رہے کہ علامہ کشمیریؒ نے یہاں جو متکلمین کی دو قسمیں بیان کی ہیں اس سے مراد اہل سنت والجماعت کے متکلمین ہیں ورنہ تو ان دونوں جماعتوں کے علاوہ اور بھی متکلمین کے بہت سے گروہ گذرے ہیں جیسے، معتزلہ وغیرہ کے متکلمین۔(انوار)

(۲۱) امام زبیدیؒ کی اس شرح کا نام ہے إتحاف السادة المتقين بشرح إحياء علوم الدين۔ یہ شرح تصوف، روحانیت، اصول، فقہ، حدیث، عقائد اور اسلام سے متعلق تقریباً تمام مباحث پر

بھرمار ہے۔

علامہ بیاضیؒ اگرچہ علماء متاخرین میں سے تھے؛ لیکن اس کے باوجود علمِ کلام میں مہارتِ تامہ رکھتے تھے یہاں تک کہ ''العلم الشامخ''(۲۲) کے مصنف علامہ مقبلی بیاضیؒ کے وسعتِ علم اور تحقیقی صلاحیت کا اعتراف کرتے ہوئے ان کی کتاب ''الإشارات'' سے کافی استفادہ کرتے تھے جب کی مقبلیؒ بہت ہی سخت قسم کے عالم تھے اور بڑی مشکل سے کسی کو عالم مانتے تھے۔

ہم نے اس مقالہ میں ان اصلی مبتدع فرقوں کا ہی ذکر کیا ہے جو جڑ کی حیثیت رکھتے ہیں؛ لیکن ان جڑوں سے نکلنے والی بہت سی چھوٹی چھوٹی جماعتیں بھی ہیں جو اپنے آراء اور افکار، عقائد اور خیالات میں تغیرات کی وجہ سے ایک نئے مسلک کی حیثیت رکھتی ہیں، اور اس طرح سے تعداد کے اعتبار سے یہ سب اتنے مسالک اور عقائد ہو جاتے ہیں جو انسانی تاریخ کے خاتمہ تک رکنے کا نام نہیں لینے والے ہیں۔ فرقوں کی اصل تعداد کے بارے میں علماء کے کئی اقوال ہیں۔ ہر زمانہ کے علماء نے اپنے دور کے افکار وعقائد، اور ملل و نحل کی تفصیل بیان کی اور ان کے باطل آراء کی تردید بھی کی۔

ان تمام فرقوں کے خیالات وافکار امام اشعریؒ کی کتاب ''مقالات الاسلامیین''،(۲۳) امام ابو منصور الماتریدیؒ کی کتاب ''المقالات(۲۴)'' اور ابو المظفر

مشتمل ایک عظیم مجموعہ ہے۔ یہ ایک حیرت انگیز موسوعہ ہے؛ لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ اب تک اس کتاب کا کوئی علمی اور محقق ایڈیشن طبع نہ ہو سکا، اگرچہ اصل کتاب إحياء علوم الدين مختلف شکلوں میں اور عمدہ تحقیقات کے ساتھ بارہا طبع ہو چکی ہے۔ خدا سے دعا ہے کہ اہلِ علم کو اس علمی خدمت کی جانب متوجہ کرے اور یہ شرح اپنے شایانِ شان طباعت اور تحقیق کے ساتھ قارئین کے ہاتھوں میں پہونچ سکے۔ (انوار)

(۲۲) کتاب کا پورا نام العلم الشامخ في تفضيل الحق على الآباء والمشايخ ہے اور مصنف کا پورا نام صالح بن مہدی مقبلی یمنیؒ ہے۔ (انوار)

(۲۳) سب سے پہلے یہ کتاب ۱۹۸۰ء میں ہلموٹ ریٹر (Hellmut Ritter) کی تحقیق سے

الاسفرائینیؒ کی کتاب ''الملل و النحل''[۴۵] میں اور دیگر بے شمار کتابوں میں تفصیل سے موجود ہیں۔

مختلف فرقوں کی جانب بے بنیاد اقوال کی نسبت

بارہاایسا ہوتا ہے کہ مختلف فرقوں کی جانب کچھ ایسے عقائد اور اقوال منسوب کر دئے جاتے ہیں جو ان کی کتابوں میں نہیں مل پاتے، یہ یا تو افترا پردازی اور الزام تراشی ہوتی ہے یا پھر مخالفین

طبع ہوئی۔ اس کے بعد یہ کتاب ۱۹۹۰م میں شیخ محی الدین عبدالحمیدؒ کی تحقیق سے طبع ہوئی۔ یہ کتاب امام اہلِ سنت والجماعت شیخ ابوالحسن اشعریؒ کی سب سے اہم تصنیف ہے۔ یہی نہیں؛ بلکہ اس کتاب کو ملل و نحل اور مختلف عقائد وفرق کے تعارف کے باب میں سب سے مستند اور اہم مصدر تصور کیا جاتا ہے۔ حافظ ابن تیمیہؒ نے بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ یہ کتاب اپنے موضوع پر سب سے اہم اور سب سے معتبر ہے۔ (انوار)

(۴۴) تلاشِ بسیار کے بعد احقر کو اس بات کا علم نہ ہو سکا کہ آیا آپ کی یہ کتاب طبع ہو چکی ہے یا نہیں۔ غالباً یہ کتاب اب تک مخطوطہ کی شکل میں لائبریریوں ہی میں محبوس ہے۔ بعض فہارس اور مجموعات میں بتایا گیا ہے کہ اس کتاب کے نسخے استبول میں کیرلوا اور ایمینیول کی لائبریریوں میں موجود ہیں۔ خارجی قرائن سے احقر کو اس بات کا اندازہ ہوا ہے کہ شاید یہ کتاب آپ کی سب سے معرکۃ الآراء تصنیف ہے۔ شاید اللہ کسی صاحبِ علم کو جلد از جلد اس کتاب کو عالمِ مطبوعات میں لانے کی توفیق دے دے۔ (انوار)

(۴۵) یہ کتاب آستانہ میں علی پاشا شہیدؒ کی لائبریری میں محفوظ ہے۔ (کوثریؒ) لیکن بعد میں یہ کتاب بھی خود امام کوثریؒ ہی کی شاندار تعلیقات کے ساتھ مصر سے شائع ہوئی اور اس کتاب کا اصل نام التبصير في الدين و تمييز الفرقة الناجية عن الفرق الهالكين ہے۔ چونکہ اس کتاب میں مختلف فرقوں اور ملل و نحل پر بحث کی گئی ہے، اسی لیے بہت سے علماء اس کتاب پر بھی الملل و النحل کا اطلاق کر دیتے ہیں، اور یہ کتاب اسی عنوان سے زیادہ معروف بھی ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اس کتاب کے مولف امام ابوالمظفر اسفرائینیؒ فنِ ملل و نحل کے معروف امام ابو منصور بغدادیؒ تمیمی کے شاگرد بھی ہیں اور داماد بھی۔ (انوار)

میں سے غیر معتمد لوگوں کی کتابوں سے اخذ کرنے کی وجہ سے، جیسا کہ عبد القاہر البغدادیؒ کے ساتھ ان کی دونوں کتابوں "الفَرْقُ بين الفِرَق "(۲۶) اور "الملل و النحل "(۲۷) میں ہوا ہے اور ابن حزمؒ کے ساتھ ان کی مشہور کتاب "الفصل" (۲۸) میں۔ اسی قبیل سے ابو عیسی محمد

---

(۲۶) ابو منصور بغدادیؒ (۴۲۹ ھ۔ ۱۰۳۷ء) کی یہ کتاب پہلی بار مصر میں قاہرہ سے ۱۹۱۰ء میں مطبعۃ المعارف کے ذریعہ شائع کی گئی۔ اس کتاب پر تحقیق، ضبط اور تعلیق کا کام محمد بدر نے کیا تھا۔ اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن اس رسالہ کے اصل مولف امام محمد زاہد الکوثریؒ کے ذریعہ ۱۹۴۸ء میں شائع کیا گیا۔ امام کوثریؒ نے طباعت کے وقت اُس قلمی نسخہ پر اعتماد کیا تھا جو سلطان الصوفیہ اور امام المصلحین، صاحبِ مثنوی مولانا جلال الدین رومیؒ کے حفید چلپی زادہؒ کی ملکیت میں تھا۔ اس کتاب پر تصحیح اور تعلیقات کا کام خود امام کوثریؒ نے کیا اور اس کی طباعت آپ ہی کے ایماء پر آپ کے شاگردِ رشید عزت عطار حسینیؒ نے کی۔ اس کے بعد ۱۹۶۴ء میں مصر میں پھر اس کتاب کی طباعت شیخ محی الدین عبد الحمیدؒ کے ذریعہ انجام دی گئی۔ حسبِ عادت شیخ محی الدینؒ نے کتاب کے اصول کی توثیق و تحقیق، پیرا گرافنگ، مشکلات کی شرح وغیرہ پر کافی توجہ دی ہے۔ شیخ محی الدینؒ نے بے شمار اسلامی مخطوطات کو عالمِ عدم سے نکال کر عالمِ مطبوعات میں لانے کے لیے اپنی زندگی وقف کر دی تھی۔ خدا موصوف کو اپنی رضا سے بہرہ ور کرے۔

اس کتاب یعنی "الفَرْقُ بين الفِرَق" کا ایک مختصر بھی ہے جس کا اختصار عبد الرزاق بن رزق اللہ بن ابو بکر بن خلف رسعنی نے کیا ہے۔ نیویارک میں کولمبیا یونیورسٹی کے استاذ اور بیروت میں امیرکن یونیورسٹی میں تاریخ کے پروفیسر فلپ حتی (۲ رمضان ۱۳۰۳ ھ / ۲۲ جون ۱۸۸۶ء — ۲۷ محرم ۱۳۹۹ھ / ۲۴ دسمبر، ۱۹۷۸ء) نے اس مختصر کی ایڈیٹنگ بھی کی ہے اور موصوف کا اس مختصر پر ایک نافع مقدمہ بھی ہے۔ (انوار)

(۲۷) یہ کتاب آستانہ میں عاشر آفندیؒ کی لائبریری میں محفوظ ہے۔ (کوثریؒ) امام ابو منصور بغدادیؒ کی یہ کتاب بھی اس وقت طبع ہو چکی ہے۔ اس کے محقق ہیں: لبنان یونیورسٹی میں علمِ فلسفہ کے پروفیسر ڈاکٹر البیر نصری نادر۔ یہ کتاب کافی مختصر ہے، اور پوری کتاب تحقیق کے ساتھ ۱۹۶ صفحات پر مشتمل ہے، جس میں ابتدائی ۴۳ صفحات میں صرف محقق کا مقدمہ ہے۔ محقق کا مقدمہ کافی علمی معلوم ہوتا ہے۔ (انوار)

(۲۸) ابن حزمؒ کی اس کتاب کا پورا نام ہے: الفصل في الملل والأهواء والنحل، جو بارہا

بن ہارون وراقؒ، اور ''الآراء والدیانات'' کے مصنف ابو محمد حسن بن موسی نو بختیؒ، اور ''الفہرست'' کے مصنف محمد بن اسحاقؒ پر اعتماد کرنا ہے۔اسی طرح سے حشویہ کی کتابیں افترا پردازیوں سے بھری ہوتی ہیں۔اسی لیے ایک محقق شخص کے لیے ضروری ہے کہ وہ کسی قول کو کسی شخص کی جانب منسوب کرتے وقت سب سے پہلے اچھی طرح سے تحقیق کرلے، اور جب تک کسی مستند کتاب میں نہ مل جائے کوئی قول کسی کی جانب قطعاً منسوب نہ کرے۔مذکورہ چند اہم امور کی جانب تنبیہ امام رازیؒ نے شہرستانیؒ کی کتاب کا ذکر کرتے ہوئے کی ہے۔اس وقت ہمارا مقصد ملل و نحل کی ساری کتابوں کا موازنہ بالکل نہیں ہے۔

قدیم متکلمین کے کلام میں کچھ ایسے نکات ملتے ہیں جس سے ہر زمانہ میں دین کی جانب سے دفاع کرنے والے لوگ رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں۔یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ ہر زمانہ میں عقائدِ اسلام کی جانب سے دفاع کے طریقے اور اخلاق اور احکام میں فساد سے بچنے کے طریقے دشمنانِ دین کے اسالیب اور طریقوں کے بدلنے کے ساتھ ساتھ بدلتے رہیں گے؛ لیکن عقائد فی نفسہ شریعت کے حدود کے مطابق قائم رہیں گے، اور ان کی حقیقتوں میں کبھی بھی کوئی فرق نہیں آئے گا۔اسی لیے ہر دور میں مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ ان کی ایک ایسی ٹیم ہو جو مختلف انسانی جماعتوں میں عام افکار و خیالات اور ان کے درمیان رائج علوم وفنون پر تحقیق وریسرچ کرتی رہے، اور ان چیزوں سے مسلمانوں کو ہونے والے نقصانات کی نشاندہی کرتی رہے، خصوصاً ان امور میں جن کا تعلق اعتقادیات سے ہو، کیوں کہ ایک مضبوط اور پاکیزہ اعتقاد ہی ہر طرح کے خیر کا سرچشمہ ہوتا ہے، اور ایک کمزور اور باطل اعتقاد ہی ہر شر و فساد کی جڑ ہوتا ہے۔

مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ ان کے پاس ایک ایسی ٹیم [۲۹] ہو جو ان آراء

طبع ہو چکی ہے (انوار)

(۲۹) بڑے افسوس کے ساتھ یہ لکھنا پڑ رہا ہے کہ آج ہماری قوم کے اندر سے اجتماعی سرگرمیوں کا مزاج اور جذبہ ختم ہوتا جا رہا ہے۔ہماری سرگرمیوں میں اتنا انتشار ہے جو ناقابلِ وصف ہے۔یاد رکھیں ٹیم ورک اور مشترکہ محنتیں ہمیشہ ایک قوم کے سعادت اور ترقی کے لیے ضامن ہوتی ہیں۔

وافکار کا ان کے متبعین کی طرح یا ان سے بھی زیادہ گہرائی سے مطالعہ کرے تاکہ جدید اسالیب سے دشمنانِ دین کے ذریعہ پیدا کئے گئے شکوک وشبہات کو چن چن کر دفع کیا جائے، اور پھر اگر اس کے بعد کوئی بھی شخص اسلامی تعلیمات اور اسلامی عقائد، احکام اور اخلاق کو ہدفِ تنقید بنائے تو اس کو منہ کی کھانی پڑے۔ خود انھیں لوگوں کے علوم کو سیکھ کر ان پر رد کیا جائے، اور اس طرح سے شکوک پیدا کرنے والے لوگوں کے افکار کا بالکل خاتمہ کر دیا جائے۔ دینِ اسلام واقعی اس سے برتر ہے کہ یہ جدید سائنسی علوم کے ساتھ متصادم ہو۔ اس طرح سے دشمنانِ اسلام کی تلبیسات سے بچنے کے لیے ایک مضبوط باونڈری تیار کر دی جائے تاکہ ہم اپنی حفاظت کر سکیں۔ اہلِ اسلام کی ایک ایسی باصلاحیت ٹیم تیار ہونی چاہئے جو زمانے کے تقاضوں سے بخوبی آگاہ ہو، وقت کے تیور کو پہچانتی ہو، اور مخالف کا ہمت سے مقابلہ کرنے کے لیے پورے طور پر لیس ہو۔ اسی طرح سے دفاعی طریقوں اور اس سے متعلق جمع کئے گئے علوم خاص کتابوں میں مدون کئے جائیں، اور اس کا اسلوب ایسا ہونا چاہئے جو دلوں کو موہ لے اور عوام اسے قبول کر لے، تاکہ یہ لٹریچر مہلک شکوک و شبہات اور باطل کے خلاف ہمیشہ کے لیے ایک طاقتور دیوار بن کر حائل ہو جائے۔

اگر ہماری قوم ایسا کرنے میں ناکام ہو جاتی ہے، تو پھر یاد رکھیں اسلام مخالف طاقتیں مسلمانوں کو لقمۂ تر بنا لیں گی، اور پھر ہماری ہی صفوں میں ان کی تلبیسات جگہ بنانا شروع کر دیں گی، اور اس وقت ان فکری جراثیم کا خاتمہ ہمارے لیے بہت ہی مشکل ثابت ہوگا۔ جو لوگ مضبوط علم نہیں رکھتے ان کے دلوں میں الحاد کے زہریلے اثرات جاگزیں ہونا شروع ہو جائیں گے۔ اللہ سے دعا ہے کہ ہم سب کو اس کے برے عواقب سے محفوظ رکھے، اور ہمیں فکری بیداری عطا کرے۔

انفرادی کوششیں اپنے فوائد کے باوجود عموماً زیادہ گہرے نتائج پیدا کرنے میں کامیاب نہیں ہو پاتی ہیں۔ خدا کرے ہمارے اندر اجتماعی اسلامی نظام کو سمجھنے کی سوجھ بوجھ پیدا ہو اور ہم پھر سے اپنے کھوئے ہوئے ماضی کو کسی حد تک بحال کر سکیں۔ (انوار)

ابن عساکرؒ کی کتاب ’’تبيين كذب المفتري فيما نسب إلى الإمام أبي الحسن الأشعري‘‘

امام اشعریؒ کی حیات، کارنامے اور علمی زندگی کا سب سے بہترین مرقع حافظِ کبیر، امام ابو القاسم بن عساکر دمشقیؒ نے اپنی کتاب ’’تبيين كذب المفتري فيما نسب إلى الإمام أبي الحسن الأشعري‘‘ میں پیش کیا ہے۔ اس کتاب میں ابن عساکرؒ نے صحیح سنی عقیدہ کا دفاع کیا ہے، اور امام اشعریؒ کے خلاف آپ کے مخالفین کے ذریعہ پھیلائی گئی غلط فہمیوں اور افترا پردازیوں کی تردید بھی کی ہے، نیز مختلف صدیوں میں عالمِ اسلام کی شہرہ آفاق اشعری شخصیات کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس کارنامہ کے ذریعہ ابنِ عساکر نے واقعی اشاعرہ پر احسانِ عظیم کیا ہے۔ قدیم زمانے سے علماء اِس علمی کارنامہ کی وجہ سے موصوف کے حق میں رطب اللسان رہے ہیں۔ موصوف کی کتاب اتنی مشہور ہے کہ شاید اسے تعارف کی بالکل ضرورت نہیں۔

اس کتاب میں کوئی عیب نہیں ہے سوائے اِس کے کہ مصنف ابنِ عساکرؒ نے علمی موضوعات میں صالحین کے خوابوں کو کثرت سے ذکر کیا ہے۔ شاید موصوف حشویہ کی وجہ سے ایسا کرنے پر مجبور ہوئے، کیوں کہ یہ گروہ جب عالمِ بیداری کے دلائل سے عاری ہو جاتا ہے، تو عالمِ خواب کا سہارا لینے لگتا ہے، اور اس کے بعد اپنے سارے دلائل خواب کی دنیا میں تلاش کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی کتابیں خوابوں کے ذکر سے بھری ہوتی ہیں۔ بہر حال مصنف کو اس سلسلہ میں ان لوگوں کی تقلید نہیں کرنی چاہئے تھی۔ ہمارے لیے تو بیداری کے دلائل ہی کافی اور شافی ہیں۔

آٹھویں صدی کے معروف عالم، علامہ ابن المعلمؒ نے اپنے دور کے اہوازی پر رد کرنے کے بعد ’’نجم المهتدی ورجم المعتدی‘‘ میں اس کتاب پر ایک ذیل لکھی ہے، جو کہ دراصل ایک ضخیم کتاب ہے۔ علامہ عفیف الدین یافعیؒ نے ابن عساکرؒ کی کتاب کی تلخیص

اپنی کتاب "الشاش المعلم ذیل المرهم"[۳۰] میں کی ہے۔ ان حضرات کے بعد شمس الدین قایائیؒ کے استاذ اور علاء الدین بخاریؒ کے شاگرد کمال الدین ابو محمد بن امام الکاملیہؒ نے اپنی کتاب "طبقات الأشاعرة" کی تالیف کی۔

ان تمام اشاعرہ کا استیعاب ایک کتاب میں ممکن نہیں ہے، کیوں کہ ائمہ اربعہ کے متبعین کی ایک بھاری جماعت نے امام اشعریؒ کے طریقہ کے مطابق سنی عقیدہ کی نصرت اور تایید کی ہے۔

اللہ سے دعا ہے کہ ہم سب کو ہدایت سے ہمکنار کرے۔

---

(۳۰) یافعیؒ کی اصل کتاب کا نام مرهم العلل المعضلة فی دفع الشبه والرد علی المعتزلة بالبراهين والادلة المفصلة مختوما بعقيدة اهل السنة المفضلة وذكر مذاهب الفرق الاثنين والسبعين المخالفين للسنة والمبتدعين ہے اور بعض مصادر میں اس کتاب کا نام اس طرح سے لکھا ہے: مرهم العلل المعضلة فی الشبه والرد على المعتزله بالبراهين والادلة المفصلة اور بعض جگہوں پر صرف مرهم العلل المعضلة في الرد على أئمة المعتزلة ہے۔ یہ کتاب پہلی بار کلکتہ میں ڈینیسن روز (Denison Ross) کی تحقیق کے ساتھ ۱۹۱۰م میں شائع کی گئی۔ اس کتاب کا یہاں ذکر کردہ نام شاید مصنف کی طرف سے اتنا لمبا نہیں تھا۔ دوسرا اور تیسرا نام زیادہ قرینِ قیاس معلوم ہوتا ہے۔ ایسا لگتا ہے مصنف کے مقدمہ کے بعض حصے کو کسی نے کتاب کا ٹائٹل ہی بنادیا۔

اندلس کے علماء کے بارے میں یہ بات معروف ہے کہ یہ حضرات اپنی کتابوں کے لیے لمبے عناوین کا انتخاب کیا کرتے تھے مثلاً امام ابن عبد البرؒ نے موطا کی اپنی شرح کا جو پورا نام رکھا ہے وہ ہے: الاستذكار الجامع لمذاهب فقهاء الأمصار وعلماء الأقطار فيما تضمنه الموطأ من معاني الرأي والآثار وشرح ذلك كله بالايجاز والاختصار اور اسی طرح سے التمهيد لما في الموطأ من المعاني والأسانيد وغیرہ (انوار)

فہرستِ مراجع

۱۔ البداية والنهاية للامام الحافظ ابن كثير الدمشقي

تحقيق التركي، نشر دار هجر

۲۔ سير أعلام النبلاء

للإمام، شمس الدين، محمد بن أحمد بن عثمان الذهبي (۷۴۸ هـ)

الناشر: مؤسسة الرسالة، الطبعة الحادية عشر ۱۴۱۷ هـ - ۱۹۹۶ م

أشرف على التحقيق: الشيخ / شعيب الأرنؤوط

۳۔ لسان الميزان للحافظ أحمد بن علي بن حجر العسقلاني أبو الفضل شهاب الدين، تحقيق: عبد الفتاح أبي غدة

الناشر: مكتب المطبوعات الإسلامية، سنة النشر: ۱۴۲۳ – ۲۰۰۲

۴۔ وفيات الأعيان وأنباء أبناء الزمان

للقاضي المورخ أحمد بن محمد بن أبي بكر بن خلكان أبو العباس شمس الدين، دار صادر - بيروت - ۱۹۷۲ م

۵۔ فيض الباري على صحيح البخاري

أمالي الامام الحافظ الحجة محمد انور شاه الكشميرى، طبعة ديوبند

۶۔ رجال من التاريخ

للعلامة علي الطنطاوي، طبعة دار المنارة

۷۔ العواصم من القواصم : أبوبكر بن العربي ، دار الثقافة ، الدوحة - قطر، الطبعة الأولى ۱۹۹۲م ، تحقيق د. علي طالبي .

اِنڈو عرب ملٹی لِنگول سروسز

(Indo-Arab Multilingual Services)

www.indoarabmultilingual.com

سرزمینِ دیوبند میں مناسب قیمت میں عربی، اردو، ہندی اور دیگر ہندوستانی زبانوں کے ترجمہ کا واحد عالمی مرکز

بانی و چیئر مین

محمد انوار خان قاسمی بستوی

اِنڈو عرب ملٹی لِنگول سروسز ہندوستان میں ترجمہ کا ایک عالمی ادارہ ہے۔ ترجمہ کی بڑھتی ہوئی ضرورتوں اور وقت کے لسانی تقاضوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ۲۰۰۹م میں اس کا قیام عمل میں آیا۔ آج یہ ادارہ ترجمہ کی دنیا میں اپنی وسیع خدمات کے لیے ہند اور بیرونِ ہند مثلاً امریکہ، انگلینڈ، سعودی، مصر، متحدہ عرب امارات، فلپائن اور دیگر ممالک میں بھی جانا جاتا ہے۔ ترجمہ کے اس مرکز کا آغاز انگلش، عربی اور اردو ترجمہ کے ذریعہ کیا گیا؛ لیکن ایک مختصر مدت میں ہی اس ادارے نے دیگر ملکی اور غیر ملکی زبانوں میں بھی اپنی عمدہ اور پروفیشنل خدمات کے ذریعہ کلائینٹس کی ایک بھاری تعداد کو مطمئن کیا ہے جو اس وقت ادارے کی خدمات پر اعتماد کرتے ہیں اور اس کے ذریعہ پیش کی جانے والی ترجمہ، پروف ریڈنگ، اور ٹائپنگ کی خدمات کو وقعت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ فی الحال اس ادارے سے تقریباً ہندوستان کی ۲۰، اور غیر ملکی ۳۰ زبانوں میں معیاری ترجمہ فراہم کیا جارہا ہے۔

پتہ: شہرِ طیب، قاسم پورہ روڈ، عقبِ عیدگاہ، دیوبند، پن کوڈ: ۲۴۷۵۵۴

نمبر برائے رابطہ: +91 74177 21171, +91 888 111 5518

ای میل: indo.arab.multilingual@gmail.com